کتاب کا بڑا حصہ مشتمل ہے، وہی شخص سمجھ سکتا ہے، جو عربی زبان کی واقفیت کے ساتھ قدیم ریاضیات مین پورا درک رکھتا ہو، جس کا اجتماع شاذ و نادر نظر آتا ہے، اس لئے جناب سید اصغر علی صاحب نے اس اہم کام کو انجام دے کر اردو زبان کے علمی ذخیرہ مین ایک گران قدر کتاب کا اضافہ کیا ہے، راقم حروف ریاضیات سے نا آشنا ہے، اس لئے فنی مباحث کے ترجمہ کی صحت کے متعلق کوئی راے نہین دیسکتا، لیکن توقع یہی ہے، کہ صحیح ہوگا، پوری کتاب الہند ۸۰ ابواب پر مشتمل ہے، ترجمہ کے پہلے حصہ مین ۳۰- ابواب کا ترجمہ ہے، اور اس حصہ مین پچاس ابواب کا، امید ہو کہ یہ کتاب اہل علم مین قدر کی نگاہون سے دیکھی جائیگی،

**الف لیلہ و لیلہ حصہ چہارم** مترجمہ ڈاکٹر ابو الحسن منصور احمد مرحوم سابق پروفیسر مسلم یونیورسٹی علی گڈہ، تقطیع بڑی، ضخامت ۴۰۸ صفحے، قیمت مجلد ۵ر بے مجلد للعہ، پتہ:- انجمن ترقی اردو دہلی،

انجمن ترقی اردو نے عربی ادب اور افسانے کی مشہور اور بے مثل کتاب الف لیلہ و لیلہ کا بھی ترجمہ کرایا تھا، جس کے تین حصے اس سے پہلے شائع ہو چکے ہین، ایک حصہ پر معارف مین بھی ریویو ہو چکا ہے، زیر نظر حصہ چوتھا ہے، اس مین چار سو باسٹھوین رات سے لیکر چھ سو چھبیسوین رات تک کی داستان ہے، ترجمہ صحیح شستہ اور سلیس ہے،

**واجد علی شاہ** از جناب محمد تقی احمد صاحب ایم اے تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۱۶ صفحے، کاغذ معمولی کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد عہ، پتہ:- دانش محل امین الدولہ پارک لکھنؤ،

اس کتاب مین جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، اودھ کے آخری تاجدار واجد علی شاہ کے حالات ہین، کتاب پانچ بابون پر تقسیم ہو، پہلے باب مین حکومت اودھ کی مختصر تاریخ ہے، دوسرے مین واجد علی شاہ کے دور کے سیاسی حالات اور حکومت اودھ کے خاتمہ کی تفصیل ہے، تیسرے مین واجد علی شاہ کے اخلاق و سیرت کا مختصر حال ہے، چوتھے مین نظام حکومت کا خاکہ، اور پانچوین مین لکھنؤ کی تہذیب و معاشرت کا مختصر تذکرہ ہے، موضوع کی اہمیت کے لحاظ سے کتاب سرسری اور تشنہ ہے، لیکن سقوط اودھ کے اسباب پر خود انگریزون کی تحریرون اور سرکاری کاغذات سے اچھی بحث کی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے، کہ اودھ کی حکومت کے خاتمہ کے اصلی اسباب کیا تھے اور پروپگنڈے نے اس کو کیا شکل دیدی ہے کتاب گو مختصر ہے لیکن فائدہ سے خالی نہین، "م"



جلد ۵۶ ماہ شعبان المعظم و ماہ رمضان المبارک ۱۳۶۴ھ مطابق ماہ اگست ۱۹۴۵ء عدد ۲

مضامین

# شذرات

شملہ کانفرنس کا حسرتناک انجام سب کے سامنے ہے، فریقین میں سے ہر ایک دوسرے کو اس کی ناکامی کا ملزم ٹھہرا رہا ہے، مگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس کانفرنس کی تعمیر ہی میں خرابی کی ایک صورت مضمر تھی اور وہ یہ کہ ان مسلمانوں کے انتخاب کا اختیار کس کو ہوگا، یہ ایک ایسا سوال تھا جو اول ہی دہلہ میں سامنے آتا تھا، اس کا جواب سوچے بغیر جو بزم رچائی گئی اس کی برہمی کی پیشینگوئی کوئی بڑی مشکل نہ تھی اس لئے ہز اکسلنسی وائسرائے کا یہ ارشاد کہ اس کانفرنس کی ناکامی کے وہی ذمہ دار ہیں تواضع کی بنا پر نہیں، بلکہ واقعہ ہے اور اس تماشے سے مقصود شملہ کی بلندی سے دنیا کو اہل ہند کے باہمی اختلافات کی داستانوں کو سارے عالم میں پھیلانا تھا، اور یہ مقصود حاصل ہو کر رہا،

(۰)

لیبر پارٹی کی کامیابی سے ہندوستانی اہل سیاست کچھ مسرور سے نظر آتے ہیں، کتنے احباب نے مزدور لیڈروں کو خوشی اور مبارکباد کے تار بھیجے ہیں لیکن کیا لیبر پارٹی کا وہ زمانہ یاد نہیں، رہا جب ریمزے میکڈانلڈ صاحب کی وزارت میں مزدور حکومت برسر اقتدار آئی تھی، اس وقت بھی بہت سی امیدیں بندھی تھیں، مگر کیا وہ ایک ایک کرکے آخر ٹوٹ نہیں گئیں، پھر اٹیلی صاحب کی وزارت میں اس سے بہتر امیدوں کا خواب دیکھنا ایک ہی حماقت میں دوبارہ گرفتار ہونا ہے، ہم کو یہ سمجھنا چاہئے کہ ہمارے حق میں انگلستان کی ہر پارٹی کنسرویٹو ہے،

(۰)

یورپ صرف قوت کے دیوتا کا پجاری ہے، خواہ یہ جنگی ہو یا مالی، اس سے عدل و انصاف اور رحم و ترحم اور سوال و دریوزہ گری کے نام سے اوس سے کسی قوم کو کچھ نہیں مل سکتا، یہود جو کبھی ذلیل تھے اور کسی سیاست میں اعتنا کے قابل نہ تھے ان کی دولت کے چشمہ نے لیبر پارٹی کے سیلاب کے بہاؤ کے رخ کو بدل دیا ہے، چنانچہ اس کے ایک نمائندہ کا یہ بیان پہلے بھی پڑھا گیا کہ وہ فلسطین میں یہود کی مدد کریں گے اور اب وہ بار بار پڑھا گیا کہ اس کی پارٹی فلسطین میں ایک آزاد یہودی ریاست کی تائید میں ہے

(۰)

عرب ریاستوں کی جو متحدہ کوششیں اس وقت نظر آتی ہیں وہ خود مختار عرب رئیسوں اور امیروں کی آزادی حرکت نہیں، بلکہ گذشتہ برسر اقتدار انگریز پارٹی کے چشم و ابرو کے اشارہ کا نتیجہ تھی، اور اس بھید کو خود لیبر پارٹی کے ایک ممبر نے کھول دیا ہے لیکن اب جب وہ کسی نہ کسی طرح اپنا متحدہ محاذ پیش کر چکے ہیں، تو دیکھنا ہے کہ انگریزی اشارات کے ختم ہونے کے بعد بھی وہ کہاں تک اپنی بات پر جمے رہتے ہیں،

---



یہ کھلا ہوا راز ہے کہ نہر سویز انگریزی شہنشاہی کے گلے کی شہ رگ ہے جس کے کٹنے سے خود شہنشاہی معرض زوال میں آجائے گی، اس لئے اس کی حفاظت انگریزی قوم کی زندگی کا فرض ہے لیکن مصر کی خود مختاری کے اعتراف کے بعد نہر کی ایک جانب سے اگر ان کا پہرہ اٹھ جائے گا، تو لازماً دوسری جانب جو فلسطین کا ملک ہے، پہرہ کی چوکی بٹھانی پڑے گی، اور اس کے لئے ایک ایسی قلیل التعداد باشندوں کی قوم سب سے زیادہ مناسب ہے، جو اپنے وجود کے لئے ہر وقت انگریزوں کی محتاج رہے اور یہی انگریزی سیاست دانوں کی اصطلاح میں فلسطین میں یہودی آبادی اور یہودی ریاست کے معنی ہیں،

(۰)

روسی بالشوزم آہستہ آہستہ جس طرح روسی نیشلزم کی صورت میں بدل رہا ہے وہ ہر غور کرنے والے کو نظر آسکتا ہے، اب طنجہ پر بھی نظر ہے، درہ دانیال کی بھی ضرورت ہے، ایرانی تیل کے چشمے بھی چاہئیں، اور شاید بعض ایرانی صوبے بھی اور ٹرکی صوبوں میں سے قارص اور اردھان کے دو صوبے بھی مطلوب ہیں، آخر زار کا تصور بھی اس سے زیادہ کیا تھا، عجب نہیں کہ ان واقعات پر ہماری ملت کے غدار افراد فلسفۂ شکم کے کچھ نئے راز بتا کر ہم کو تسکین دینے کی کوشش کریں گے، تاہم واقعہ واقعہ ہے، فلسفہ کے اختراع سے واقعہ نہیں بدل سکتا،

(۰)

نگار کے ملحدانہ مضامین میں کچھ نئے نہیں گو رنگ بدل کر کتنے ہی اسلوب وہ اختیار کرے اس کا ماخذ اصل کفر ہی ہے، ابھی اس کے مدیر نے اپنے مذہب کا خاکہ کھینچا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ خدا کوئی چیز نہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک حساس قلب مصلح دل و دماغ اور حکیم فطرت انسان تھے، انھوں نے گردوپیش کی قوموں سے بہت سی عمدہ باتیں سن کر اور ان کو اپنا کر ایک شاعرانہ دیوان قرآن نام جمع کیا، اب اگر اس میں بقول ٹسڈل دوسری کتابوں سے کچھ بیکر شامل کر دیا گیا ہو تو اس سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات میں کوئی فرق نہیں آسکتا، یہ ہے اس مضمون کا خلاصہ جس کا ماننے والا ظاہر ہے کہ کسی طرح مسلمان نہیں کہلایا جاسکتا ہے، اور جس کا مقصود یہ ہوا کہ ٹسڈل کے ہفوات تمامتر صحیح ہیں اور نگار کے عقیدہ کے مطابق ہیں،

(۰)

مدیر نگار سے میں نے خط لکھ کر مطالبہ کیا اور اب بھی کرتا ہوں کہ ڈاکٹر ٹسڈل کے نام سے جس کتاب کا اشتہار وہ بار بار دے رہا ہے وہ اس کے صحیح نام اور اس مطبع سے جس میں وہ چھپی ہے، اور جو نسخہ اس کے پاس ہے اس کے سال و مقام طبع سے مطلع کرے یا وہ تھوڑی دیر کے لئے دفتر معارف میں بھیج دے تاکہ یہ معلوم ہو کہ جو ترجمہ اس نے شائع کیا ہے وہ ٹسڈل کی کسی کتاب کا ترجمہ ہے بھی یا نہیں، یا اسی پرانے ینابیع القرآن کا دوسرا اڈیشن ہے، جس کو مدیر نگار کی جودت قلم نے خود گھڑ کر تیار کیا، اور اس کے لئے ہل من مبارز کا نعرہ بار بار لگ رہا ہے،

(۰)

اعتراض کا یہ اچھا طریق ہے کہ آپ با ایں ہمہ جہل و نادانی اپنے دفتر میں چودھری بن کر بیٹھیں، اور علماء سے جواب کا مطالبہ کریں اور جو جواب وہ دیں اوس میں کسی کو ناقص اور کسی کو غیر تشفی بخش کہکر استہزا کریں گویا فقط نے یہ شعر اسی دن کے لئے کہا تھا

نگارِ ما کہ بمکتب نرفت وخط ننوشت
بہ یک نگاہ ادب آموز صد مدرس شد

اس طرح تو کسی سوال کا کوئی جواب ہی نہیں ہوسکتا، معترض کا کام کتنا آسان ہے کہ لوگ اس کو جوابات دیتے جائیں اور وہ سب سُن کر آخر میں یہ کہدے کہ تسلی نہیں ہوئی، ایسے ہی لوگوں کے باب میں قرآن پاک کا یہ فتوی ہے:

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ،

مدیر نگار نے اس مضمون مذکور میں اپنے اسلام کی حقیقت بیان کی ہے اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ وہ مذہب ہے جس کو عرب کے مصلح و حکیم نے زمانہ کے حالات کو دیکھ کر بنایا ہے، اور اپنے ان تجربات کے تاثرات کو قرآن میں اپنے لفظوں میں ادا کیا ہے، خدا کا عقیدہ، قیامت اور جنت و دوزخ وغیرہ کے عقائد برائے بیت ہیں، عبادات وغیرہ رسوم ہیں، اصل میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کردار کو دیکھنا چاہئے اور وہی عین اسلام ہے، لیکن کیا ایسے شخص کا کردار سامنے کے قابل ہوسکتا ہے جو عمر بھر یہ جھوٹ بولتا رہا ہو کہ وہ خدا کا بھیجا ہوا ہے، اور فرشتوں کے ذریعہ خدا کا پیغام اس کے پاس آتا ہے، اور جو کچھ وہ کہتا ہے وہ خدا کی بولی ہے حالانکہ وہ ساری اسی کی بنائی ہوئی ہے اور اس کی اپنی ایجاد ہے، مگر لوگوں کو سمجھانے اور منوانے کے لئے وہ اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتا ہے، اس سے زیادہ شدید الزام کسی پاک ہستی پر اور کیا ہوسکتا ہے،

مدیر نگار نے اتنے پیچ و خم سے جو بات کہی ہے وہ نئی نہیں ہے، ہر زمانہ کے زنادقہ یہی کہتے آئے ہیں کہ انبیا علیہم السلام نے عوام کی بھلائی کے لئے یہ جھوٹ گھڑ کر پھیلایا ہے،

گویا مذہب اک دروغ مصلحت آمیز ہے،

باطنیہ اسی خیال کو تاویلات فاسدہ کے رنگ میں پیش کرتے ہیں، یہ زمانہ آزادی کا ہے، اس لئے تاویل کے پردہ کی ضرورت بھی نہیں رہی، بے پردہ بات کہدی گئی، اور پھر اس پر بھی اسلام کا دعویٰ ہے،

وہی ذبح بھی کرے ہے وہی لے ثواب الٹا

ظاہر ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت مسلمانوں پر اس لحاظ سے واجب نہیں ہے کہ آپ عرب کے حکیم یا انسانیت کے مصلح تھے، بلکہ اس لئے واجب ہے کہ آپ رسول اللہ ہیں اور رسول اللہ کا تصور بغیر اس کے کہ اللہ پر ایمان لایا جائے ممکن ہی نہیں ہے،



# مقالات

## رومن کیتھولک تاریخ کی چند من گھڑت کہانیاں

بنگال سنتے ہیں کہ مسلمانوں کا صوبہ ہے مگر وہاں کی تعلیم گاہوں سے وقتاً فوقتاً مسلمان اور اسلام اور تاریخ اسلام کے متعلق ایسی ہنگامہ خیز اطلاعیں آتی ہیں کہ ہم کو یہ سوچنا پڑتا ہے کہ کیا واقعی بنگال میں مسلمانوں کی کوئی قوت ہے بھی یا نہیں،

ابھی اکبر کی دین الٰہی والی کتاب کا ہنگامہ فرو نہیں ہوا تھا کہ معلوم ہوا کہ کلکتہ کے ایک مشنری کالج (سینٹ زیویر کالج) کے ہائی اسکول سکشن میں ایک کتاب کیتھولک چرچ ہسٹری طالب علموں کو پڑھائی جاتی ہے جس میں ایک باب اسلام کے سخت خلاف ہے، کتاب مذکور کے اس باب کا خلاصہ میں نے پڑھا تعجب ہوا کہ یہ ایک ایسی کتاب ہے جو مذہبی رواداری ہی کے خلاف نہیں، بلکہ علم اور واقفیت کے بھی خلاف ہے، عیسائیوں نے ہمیشہ مسلمانوں کو یہ طعن دیا ہے کہ انھوں نے تلوار کے زور سے اپنے مذہب کو پھیلایا ہے، یہ واقعہ صحیح ہو یا غلط ، مگر بہر حال انھوں نے جھوٹ اور فریب سے اپنے مذہب کو کبھی نہ پھیلایا، جیسا کہ اس زمانہ کی مشنریوں کی تبلیغی کوششوں میں نظر آتا ہے، اس کتاب کے اس باب کا حاصل بھی یہی ہے کہ مسلمانوں نے اسلام کو بزور شمشیر پھیلایا ہے ممکن ہے بعض صورتوں میں یہ واقعہ صحیح ہو، جس طرح جرمنی کے باب میں یہ واقعہ صحیح ہے کہ وہاں عیسائیت تلوار کی نوک سے پھیلائی گئی ہے.

اس باب میں پیغمبر اسلام علیہ السلام اور خلفار کے بھی مختصر واقعات ہیں، دنیا اس تحقیق کو سُن کر حیران رہ جائے گی کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ یہودیہ تھیں، حضرت آمنہ بنت وہب جو قریش کی سیدہ تھیں ان کو یہودی نسل یا مذہب بتانا ایک ایسا جھوٹ ہے جس کی مثال مشکل سے مل سکے گی،

اس کتاب کا یہ بیان کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عمر کے تیسوین سال مین نبوت کا دعوی کیا، کتنی جہالت کا آئینہ ہے، دنیا جانتی ہے کہ حضورؐ کی نبوت اس کے دس برس بعد کا واقعہ ہے، جب عمر شریف چالیس سال کی تھی، اور شباب کا عہد اپنے اختتام کو پہنچ چکا تھا،

ولادت کا سال ۵۶۹ء بتا کر ہجرت کا سال ۶۲۲ء بتانا بھی تاریخ کا خون کرنا ہے، اس کے معنی یہ ہین کہ ہجرت کا واقعہ آپ کی عمر کے بیالیسوین برس پیش آیا، حالانکہ آپ کی عمر اس واقعہ کے وقت باتفاق عام ترپن سال کی تھی، کیونکہ چالیسوین سال آپ کو نبوت ملی، اور اس کے بعد تیرہ سال مکہ مین رہ کر قریش کے ہر قسم کے ظلم وستم سہے تب مدینہ کو ہجرت فرمائی، اور اس کتاب کے بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبوت ملنے کے بعد جب بت پرستی کے خلاف آپنے وعظ شروع کیا، تو بت پرست قریشیون کے غیظ وغضب کو دیکھ کر آپ فوراً اپنے ساتھیون کے ساتھ مدینہ چل دیئے، حالانکہ یہ بالکل غلط ہے،

یہ بیان بھی تحقیق سے خالی ہے کہ قرآن پاک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جمع کیا گیا، کوئی کتاب جس کی سطرین یکجا اور آیات مرتب نہ ہون، نہ پڑھنے مین آسکتی ہے، اور نہ اس کی تلاوت کیجا سکتی ہے، حالانکہ ہر ایک کو معلوم ہے، کہ قرآن پاک کا ہر حصہ اس وقت بھی ہر مسلمان نماز مین پڑھتا تھا، اور ہر روز اس کی تلاوت کرتا تھا، ہان یہ صحیح ہے کہ کاغذ پر اس کی تمام آیتیں ( وہ سورتین یکجا ترتیب کے ساتھ شکل کتاب حضرت ابوبکرؓ کے عہد مین لکھی گئین،

اس کتاب کا بیان ہے کہ جب آپسے درخواست کی جاتی تھی، کہ آپ کوئی مافوق الفطرۃ نشانات اپنے دعوی کی تائید مین پیش کرین، تو آپ جواب دیتے کہ "مجھے اللہ تعالی نے معجزات دکھانے کے لئے نہین بھیجا ہے بلکہ دعوت دینے اور لڑنے کے لئے بھیجا ہے" اس بیان کی صداقت کے لئے مصنف نے قرآن کی سورہ ۱۳، آیہ ۱۷ کا حوالہ دیا ہے، میرا چیلنج ہے کہ اس معنی کی کوئی آیت قرآن پاک مین نہین ہے، تیرھوین سورہ رعد ہے اور اس کی جس تیرھوین آیۃ کا حوالہ دیا گیا ہو وہ شاید حسب ذیل ہے،

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (رعد - ۱)

اور کافر کہتے ہین کہ اس پر اس کے پروردگار کی طرف سے کوئی نشانی کیون نہین آتی (اے محمد) آپ تو خبردار کرنے والے ہین اور ہر قوم کے لئے ایک رہنما ہے،



اس آیت مین کوئی لفظ ایسا نہین جو معجزہ نہ دکھانے کے واقعہ کو ظاہر کرے، اور یہ کہے کہ آپ لڑنے کو بھیجے گئے ہین، خیال ہوتا ہے کہ شاید قرآن پاک کے کسی ترجمہ مین مُنذِر کا ترجمہ خبردار اور ہشیار کرنیوالے کے بجائے ڈرانے والا یا ڈرسنانے والا کیا گیا ہے، اور اس سے لڑنے کا مفہوم حاصل کیا گیا ہے، ایسے لوگون کی اطلاع کے لئے یہ بتا دینا ضروری ہے کہ منذر عربی زبان مین وقت سے پہلے آنے والی مصیبت کو بیان کر کے اوس سے بچنے کی تدبیر کے لئے تیار کرنے والے کو کہتے ہین، جیسے ڈاکٹر کسی مریض کو دیکھکر آیندہ خطرات سے اوس کو ہشیار اور متنبہ کرے کہ اگر اپنی حالت کی درستی کے لئے کوشش نہ کروگے تو تم کو فلان فلان بیماریان لاحق ہوجائین گی، اس 'انذار' کو جنگ اور لڑائی سے کوئی تعلق نہین، یہ تنبیہ اوس عذاب الہی کے مقابلہ مین ہے جو دوسری دنیا مین اسلام کے پیغام کے نہ ماننے اور اوس پر عمل نہ کرنے سے پیش آنے والا ہے، قرآن کی بہت سی آیتون مین یہ لفظ آیا ہے، اور انہی معنون مین آیا ہے، جیسے سورۂ زمر مین ہے، فرشتے قیامت مین کہین گے :-

اَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ رَبِّكُمْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۭ (زمر - ۸)

کیا تمھارے پاس تمھارے مین سے رسول تم کو تمھارے پروردگار کے حکم کو پڑھکر سنانے اور اس تمھارے دن کی ملاقات سے ڈرانے اور ہشیار کرنے نہین آئے،

کیا قیامت کا میدان لڑائی کا میدان ہے، دوسری جگہ ہے،

اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰىهَا (نازعات - ۲)

آپ اس کو ڈر سنانے والے ہین جو قیامت سے ڈرتا ہے،

دیکھئے اس مین ٹھیک وہی لفظ منذر ہے جو پہلی آیت مین ہے،

سورۂ یٰسین مین ہے :-

وَسَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ ۚ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ (یٰسین - ۱)

اور برابر ہے ان کے لئے ان کو ہشیار کرو یا نہ کرو وہ ایمان نہین لائین گے، تم اسی کو ہشیار کر سکتے ہو جو نصیحت کی پیروی کرتا اور بن دیکھے رحمت والے خدا سے ڈرتا ہے، تو اس کو گناہون کی معافی اور نیک مزدوری کی خوشخبری سنادے

کیا یہ "انذار" اعلان جنگ ہے، اور کیا اسی کو اعلان جنگ ہے، جو نصیحت کو مانتا اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہو، یہ کیسا حماقت کا خیال ہے،

قرآن کہتا ہے :-

| | |
|---|---|
| وَاِنۡ مِّنۡ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيۡهَا نَذِيۡرٌ، (فاطر - ۳) | اور دنیا کی کوئی قوم ایسی نہین جس مین ایک ڈر سنانے والا نہین آیا، |

کیا ہر قوم مین آنے والا ہوشیار کرنے والا پیغمبر ہے، جو قومون کو ان کے اعمالِ بد کی پاداش سے ہشیار اور باخبر کر کے ان کے دل مین اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا کرتا ہے، یا وہ جنگ کا الٹی میٹم دینے والا ہوتا ہے،

ایک اور آیت ہے :-

| | |
|---|---|
| اِنَّمَا اَنۡتَ مُنۡذِرُ مَنۡ يَّخۡشٰهَا (نازعات - ۲) | اے پیغمبر تم تو اس کو جو قیامت سے ڈرتا ہو ہوشیار کرنے والے ہو، |

یہان صاف تصریح ہے کہ عربی مین لفظ انذار کا مفہوم ہشیار و باخبر کرنا، اور عمل بد کی پاداش سے متنبہ کرنا ہے نہ کہ لڑائی اور جنگ جوئی،

اب یہ کہنا ہے کہ اس آیت مین بے شبہ عجائب و غرائب اور خوارق عادت کے مانگنے والے کو خوارق اور معجزات کے بجائے اسلام کی تعلیم و ہدایت کی صداقت مین غور و فکر کرنے کی دعوت دی گئی ہے، اور عجائب پرستی کے عامیانہ جذبہ کے بجائے عقل و خرد کو کام مین لانے کی طرف متوجہ کیا گیا ہے، مگر اس سے اس کا نتیجہ نہین نکلتا، کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ معجزات دکھانے سے انکار کیا ہے، قرآن خود معجزہ ہے، اور اس مین متعدد معجزون کا بیان مذکور ہے جن مین ایک شق القمر کا معجزہ بھی ہے، جو سورۂ قمر مین ہے اسی طرح بدر اور خندق کے معجزون اور روم کی فتح کی پیشینگوئی کا ذکر بھی ہے،

اس آیت مین معجزون کے دکھانے سے جو پہلو تہی ظاہر کی گئی ہے، اس کے وہی معنی ہین، جو حضرت مسیح علیہ السلام کے ان فقرون کے ہین جن مین معجزون کے دکھانے سے انھون نے انکار کیا ہے، اور کہا ہے کہ "اس قوم کو یونس کے معجزہ کے سوا اب کوئی اور معجزہ نہین دکھایا جائے گا" (تفصیل منظور ہو، تو میری کتاب سیرۃ النبی کی تیسری جلد مین اس کو پڑھیں)،

اتفاق سے انجیل کا ایک نسخہ اس وقت مل گیا ہے، اس سے یہ دو درس بلفظ



نقل کر دیے جاتے ہین،

"اے استاد ہم تجھ سے ایک نشان دیکھنا چاہتے ہین، اس نے جواب دیکر ان سے کہا اس زمانہ کے برے اور زناکار لوگ نشان چاہتے ہین، مگر یونا ہ نبی کے نشان کے سوا کوئی اور نشان ان کو نہ دیا جائے گا، (متی ۱۲ - ۳۹)

مرقس مین ہے :-

"پھر فریسی نکل کر اس سے بحث کرنے لگے، اور آزمانے کے لئے اس سے کوئی آسمانی نشان طلب کیا، اس نے اپنی روح مین آہ کھینچ کر کہا اس زمانہ کے لوگ کیون نشان طلب کرتے ہین؟ مین تم سے سچ کہتا ہون کہ اس زمانہ کے لوگون کو کوئی نشان دیا نہ جائے گا، اور وہ ان کو چھوڑ کر پھر کشتی مین بیٹھ گیا، (۸ - ۱۱)

اس انجیل مین جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزون سے بھری ہوئی ہے، آزمایشی اور فرمایشی معجزون کے جواب مین انکار کا ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے تائیدی معجزے گو بکثرت ہوتے ہین مگر تحدی یہ معجزہ کے دکھانے سے وہ انکار کرتے ہین، کہ قانونِ الٰہی کے مطابق ایسے معجزون کے ظہور کے بعد نافرمان امت کی ہلاکت یقینی ہے، اس لئے وقت مقرر سے پہلے یہ فرمایش پوری نہین کی جا سکتی، تا ال بجا ہے کیا عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس انکار کی توجیہ اس سے بہتر کر سکتے ہین۔

کہا گیا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مذہب مین آخرت کو صرف مادی شکل مین پیش کیا گیا ہے، اور اس کے روحانی تخیل سے خالی ہے یہ بھی معترض کی بے خبری ہے، اول تو یہ عرض ہے کہ انجیل مین کیا قیامت کے بعد جنت مین اپنے ساتھیون کے پہلو مین افشردہ انگور خواہ وہ شربت ہو یا شراب پینے کا ذکر نہین (متی ۲۶-۲۹) اور کیا "دوزخ کی آگ" کا منظر انجیل مین جا بجا نہین دکھایا گیا ہے، (لوقا ۱۲ - ۵ و ۱۶ - ۲۳ - متی ۲۳ - ۳۳) تفصیل منظور ہو تو میری کتاب سیرۃ نبوی کی چوتھی جلد مین دوزخ اور جنت کا بیان پڑھیں، اس مین بائبل کے اکثر حوالے لکھے ہین، جن کو روشن خیال عیسائی چھپاتے ہین، جہنم کے عذاب کا ذکر (متی ۲۳ - ۳۳) مین ہے،

فریسی یہودی جو قیامت کو مانتے تھے، وہ جنت و دوزخ کو سراسر مادی، اور عیسائی ان کو سراسر روحانی فرشتون کی سی زندگی بتاتے ہین، اسلام مین جنت و دوزخ کے تصور مین مادی و روحانی دونون منظرون کی جامعیت ہے، بہشت باغ و بہار بھی ہو گی، اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور

خوشنودی اور دیدار کے روح پرور جمال کا نظارہ گاہ بھی ، جیساکہ قرآن کہتا ہے ،

وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ — اور اللہ کی خوشنودی آخرت کی سب نعمتون سے بڑھ کر ہے، (توبہ - ۹)

(تفصیل میری مذکورۂ بالا کتاب کی چوتھی جلد مین ہے)

زیر اعتراض باب کا آخری حصہ اس بیان مین ہے، کہ اسلام کی اشاعت صرف تلوار کے زور سے ہوئی ہے، یہ بالکل ٹھیک ہے، انہی معنون مین جن معنون مین آج بھی عیسائی یورپ اپنی عیسائی تہذیب کی اشاعت توپ و تفنگ اور ہوائی جہازون اور ٹینکون کے ذریعہ سے کر رہا ہے، جس کے زیر سایہ عیسائی سامان عیش و عشرت اور مشنری صلح پسندون کا غول ملکون مین داخل ہوتا ہے، اور ان پڑھے جنگیون کو بے خبری کی حالت مین عیسائی بناتا ہے۔ افریقہ کے نگرو اگر عیسائیت کے بجائے اسلام کو قبول کرتے ہین، تو اس سے ہمارے عیسائی دوستون کو فکر مند ہونے کی کیا بات ہے،

اسلام کی تلوار ابی سینیا مین کبھی نہین چمکی، پھر وہان مسلمانون کی تعداد کہان سے آئی، جزائر ملایا و سیام مین کبھی اسلام نے کوئی لشکر نہین بھیجا، پھر یہ کروڑون مسلمان ان جزیرون مین کہان سے آباد ہوگئے، فلپائن اور مدگاسکر وغیرہ جزیرون مین اسلام کس کشور کشا جلاد کے خوف کا نتیجہ ہے، چین مین مسلمانون کی حکومت کبھی نہین ہوئی، پھر وہان کے کروڑون مسلمان کس تلوار کے زور سے مسلمان بنائے گئے، ہندوستان مین مسلمانون کی تعداد ان کی حکومت کے ختم ہونے کے بعد بھی تین چار کروڑ سے زیادہ نہ تھی، جیسا کہ پہلی انگریزی مردم شماری مین درج ہے، مگر سو برس کے عرصہ مین ان کا بے تلوار کے دس کروڑ کے قریب ہو جانا کس مادی ہیبت کا نتیجہ ہے، پھر آج یورپ کے مختلف ملکون اور گوشون مین اسلام کی نموداری جب کہ اس کی تلوار زنگ آلود ہو چکی ہے کس اعجاز کا کرشمہ ہے۔ افریقہ کے ریگستان کے ہر ٹکڑے مین آج عیسائیت تلوار کے زور سے قائم ہے، تاہم روحانی مفتوحون کی بڑی تعداد عیسائیت کے بجائے اسلام کے آغوش مین آتی ہے، کیونکہ اسلام افریقہ کو ایمان کی تازگی کے ساتھ حکومت کی آزادی بھی بخشتا ہے، لیکن عیسائیت تثلیث کی بت پرستی کے ساتھ یورپ کا غلام بناتی ہے،

رومن کیتھولک چرچ کی تاریخ مین یہ بھی لکھا تھا، کہ رومن کیتھولک چرچ انسانون کو بودن کو معتقد بنایا کرتا تھا، اسلام نے آکر انسانون کو صرف ایک خدا کا معتقد بنایا، محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے یہودیون نے



حضرت مریم صدیقہ پر جو اخلاقی تہمت اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر جو الزامات لگائے تھے، اسلام ہی ہے جس نے ان معصومون کی عصمت کی گواہی دیکر کروڑون بندگان خدا کے دلون مین ان کی سچائی اور صداقت کا سکہ بٹھایا، اور عیسائیون نے ان کو انسانون کے بجائے جو دیوتا کی شکل عطا کی تھی، اس کو مٹا کر مقدس انسانون اور محبوب بندگان الٰہی کی صورت مین جلوہ گر کیا،

مصنف کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تیغ زن سپاہیون سے بڑی شکایت ہے، لیکن کیا کارلائل کی زبان مین اوس سے پوچھ سکتا ہون کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تیغ زن سپاہیون کو تن تنہا کس تلوار کے زور سے مسلمان بنایا، ایسے تیغ زن سپاہیون، بہادرون کو جن مین سے کسی نے ایران کا تخت الٹ دیا، کسی نے قیصر سے مصر و شام اور شمالی افریقہ کا سارا علاقہ چھین لیا، اور کسی نے خراسان و ترکستان کی سرزمینون کو روند ڈالا،

مشنریون نے اسلام کے خلاف جو یہ خیال پھیلا رکھا ہے، کہ وہ کوئی نیا مذہب نہین، بلکہ وہ صرف عیسوی اور یہودی مذہب کا مجموعہ ہے، کوئی نیا اعتراض نہین، یہ تو پیغمبر اسلام علیہ السلام کے عہد مین بھی کفار نے کہا تھا،

لیکن یہ معلوم ہونا چاہئے کہ بجائے خود اسلام کا دعویٰ بھی یہی ہے، کہ یہ کوئی نئی چیز نہین بلکہ آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک جو کچھ انبیاء علیہم السلام سے کہا گیا تھا اور جس کو ان کے پیروون نے بھلا دیا تھا، اسلام کے ذریعہ سے وہی پیغام پھر دنیا مین بھیجا گیا، جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے معترضون سے یہ کہا تھا کہ مین تورات کے قانون کو مٹانے کیلئے نہین بلکہ اس کو پورا کرنے کے لئے آیا ہون، اور جب تک دنیا قائم ہے، تورات کا ایک نقطہ نہین بدل سکتا، اسی طرح قرآن کا دعویٰ ہے کہ وہ تورات اور انجیل کا مصدق ہے،

مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ (بقرہ ۱۲) — اگلی کتابون کو سچا بتانے والا،

اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ دین الٰہی ایک ہی ہے جو آدم علیہ السلام سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک یکسان پیغمبرون کے ذریعہ بھیجا جاتا رہا، اور قرآن پاک مین جو کچھ ہے، وہی اگلی کتابون مین بھی تھا، چنانچہ وہ اپنی نسبت آپ گواہی دیتا ہے، تورات اور انجیل کے ذکر کے بعد ہے،

وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ — اور ہم نے تیری طرف قرآن اتارا حق کے ساتھ اپنے سے پہلے کی کتابون کی

وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ (مائدہ - ۷) تصدیق کرتی ہے، اور ان کتابوں "مہیمن" ہو،

لفظ مہیمن کا ترجمہ محافظ، مشتمل اور جامع بھی کیا گیا ہے،

سورۂ شعراء میں ہے:-

وَاِنَّهٗ لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ (شعراء - ۱۱) اور یہ مضمون (جو قرآن میں ہے) اگلوں کی کتابوں میں (بھی) ہے،

ایک اور سورہ میں ہے:-

اِنَّ هٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی صُحُفِ اِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰی (اعلیٰ) یہ مضمون اگلے صحیفوں میں ہے، اور ابراہیم اور موسیٰ کی کتابوں میں،

سورۂ شوریٰ میں ہے:-

شَرَعَ لَکُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰی بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ وَمَا وَصَّیْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰی وَعِیْسٰٓی، (شوریٰ - ۲) اللہ نے تمہارے لئے وہی دین مقرر کیا جس کا اس نے نوح کو حکم دیا تھا اور جس کو ہم نے تمہارے پاس وحی کیا اور جس کا ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو حکم دیا تھا،

اب جس بات کا قرآن خود دعویٰ کر رہا ہو، اور جو اس کی متفقہ اور متحدہ صداقت کی دلیل ہو، اس کو اعتراض کے موقع پر پیش کرنا کہاں تک صحیح ہے، اسلام کا عقیدہ یہی ہے کہ تمام انبیاءؑ ایک ہی دعوت، ایک ہی تعلیم اور ایک ہی شریعت لے کر آئے، مگر ان کے متبعوں نے اس کو کھو دیا، اور بگاڑ دیا، اب یہی چیز قرآن کے قالب میں آخری بار آئی ہے، اور اب اس کی حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر لی ہے، وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ،

اب جہاں تک عقائد حقہ، تعلیمات صحیحہ اور انبیاءؑ کے صحیح واقعات و قصص کا تعلق ہے، قرآن پاک اور تورات اور انجیل کی یکسانی بالکل کھلی بات ہے، لیکن جہاں ان کتابوں کی تحریفات اور انسانی آمیزش و تبدیل کا تعلق ہے، قرآن ان سب سے الگ اور ان سب سے ممتاز ہے، تثلیث کا عقیدہ اور ان عقائد کے ذکر سے جن کو پالوس نے دین عیسوی میں شامل کیا ہے قرآن پاک بری ہے، اسی طرح انبیاء علیہم السلام کے قصوں کے



ان عناصر کی جو تورات میں بری طرح آج مذکور ہیں، قرآن نے علانیہ ..... تردید کی ہے اور انبیاء علیہم السلام کی عصمت کو دنیا میں دوبارہ ظاہر کیا ہے، اگر قرآن پاک موجودہ انجیل اور موجودہ تورات کا مجموعہ ہوتا، تو یہ امتیاز کیوں نظر آتا،

مقصود یہ ہے کہ خدا، انبیاء، قیامت، جزا و سزا اور قصص انبیاءؑ کی حد تک قرآن اور دیگر آسمانی کتابوں کا اتحاد، قرآن پاک کی صداقت کی دلیل ہے، نہ کہ بطلان کی، کہ یہ سب چشمے ایک ہی ربانی سرچشمہ سے نکلے ہیں اور اگر مقصود یہ ہے کہ اگلی کتابوں کی کوئی بات پچھلی کتاب میں دہرائی نہ جائے، تو اس نقص سے عیسائیوں کی یہ موجودہ انجیل بھی خالی نہیں، وہ بھی یہودی کتب و اسفار کے اقوال کی تکرار سے معمور ہے، حضرت عیسیٰؑ کا آخری فقرہ ایلی ایلی لما سبقتنی (متی ۲۷-۴۶، مرقس ۱۵-۳۴) زبور ۲۲-۱ میں مذکور ہے اور حضرت داؤدؑ کی دعا کا ٹکڑا ہے، خدا کے باپ اور حضرت عیسیٰؑ کے بیٹے ہونے کا دعویٰ بھی زبور ۲- کی نقل ہے، جس میں حضرت داؤدؑ نے خدا کو مجازاً باپ اور اپنے کو بیٹا کہا ہے، انجیل کی بہت سی خوبصورت تمثیلیں بھی عہد قدیم کے صحیفوں میں ملتی ہیں، اور ان کے علاوہ مصری اور یونانی میتھالوجی بلکہ بودھ تک کے فقرے بھی موجودہ انجیل کے نسخوں میں مذکور ہیں، مصر کے ایک فاضل نے التطبیق بین الدیانۃ الوثنیۃ والدیانۃ المسیحیۃ میں ان سب کو پوری تفصیل سے جمع کر دیا ہے،

---

## سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

حصۂ سوم

اس کے مقدمہ میں نفس معجزہ کی حقیقت اور اس کے امکان و وقوع پر فلسفہ قدیمہ، فلسفہ جدیدہ، علم کلام اور قرآن مجید کی روشنی میں مفصل بحث و تبصرہ ہے، اس کے بعد خصائص نبوت یعنی مکالمۂ الٰہی، وحی نزول، ملائکہ، عالم رویا، معراج اور شرح صدر کا بیان ہے، زیر طبع ہے،

منیجر

# عہدِ تیموریہ سے پہلے کے صوفیۂ کرام

اور

## ان کی فارسی تصانیف

از جناب سید صباح الدین عبد الرحمٰن صاحب رفیق دار المصنفین

(۲)

گذشتہ صفحات مین شیخ ہجویریؒ نے تصوف پر نظری اور تاریخی حیثیت سے بحث کی ہے جس سے اس کی اصل تاریخ اور اس کے مختلف فرقون اور گروہون کے عقائد کا اندازہ ہوتا ہے، لیکن آیندہ ابواب مین تصوف کے عملی مسائل پر مباحث ہین، اور راہ سلوک مین بارہ حجاب یعنی پردے بتائے ہین، ان مین سے ہر ایک کی علٰحدہ علٰحدہ تشریح اور توضیح ہے،

پہلا پردہ خدا کی معرفت کا ہے، معتزلہ کہتے ہین کہ معرفت علم اور عقل سے حاصل ہوتی ہے، مگر ہجویریؒ نے اس کی تردید کی ہے، وہ کہتے ہین کہ اگر معرفت علم اور عقل سے ہوتی تو ہر عالم اور عاقل عارف ہوتا، حالانکہ ایسا نہین ہے، ہجویریؒ کا خیال ہے، کہ معرفت اسی بندہ کو حاصل ہوتی ہے، جس پر خداوند تعالیٰ کی عنایت ہو، وہی دل کو کھولتا ہے، اور بند کرتا ہے، کشادہ کرتا ہے اور مہر لگاتا ہے، عقل اور دلیل معرفت کا سبب ہو سکتی ہین، مگر علت نہین، علت صرف اس کی عنایت ہے، چنانچہ حضرت علیؓ نے فرمایا، کہ خدا کو مین نے خدا ہی سے پہچانا، اور خدا کے سوا کو اس کے نور سے پہچانا،

معرفت کیا ہے؟ اس پر ہجویریؒ نے صوفیۂ کرام کے اقوال کی روشنی مین بحث کی ہے، حضرت عبد اللہ ابن مبارکؒ فرماتے ہین، کہ معرفت یہ ہے کہ کسی چیز پر تعجب نہ ہو، کیونکہ تعجب اس فعل سے ہوتا ہے جو مقدور سے زیادہ ہو، لیکن خداے تعالیٰ ہر کمال پر قادر ہے، پھر عارف کو اس کے افعال پر تعجب کیون ہو، حضرت ذوالنون مصریؒ کا قول ہے کہ معرفت کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ پیہم لطائف کے انوار سے بندے کو اپنے اسرار سے آگاہ یعنی اس کے دل کو روشن اور آنکھ کو بینا کرکے اسکو تمام آفتون سے محفوظ رکھے، اس کے دل مین خدا کے سوا



موجودات اور مثبتات کا ذرہ برابر وزن قائم ہونے نہ دے جس کے بعد بندہ ظاہری اور باطنی اسرار کا مشاہدہ کرتا رہتا ہے، شیخ شبلی علیہ الرحمہ فرماتے ہین کہ معرفت حیرت دوام کا نام ہے، حیرت دو طرح پر ہوتی ہے، ایک ہستی مین، دوسرے چگونگی مین، ہستی مین حیرت کا ہونا شرک اور کفر ہے، اور چگونگی مین معرفت، کیونکہ خدا کی ہستی مین شک نہین کیا جا سکتا، مگر اس کی ہستی کی چگونگی سے یقین کامل پیدا ہوتا ہے، اور پھر حیرت، حضرت بایزید بسطامیؒ کا قول ہے کہ معرفت یہ ہے کہ بندہ کو یہ معلوم ہو جائے کہ مخلوق کی تمام حرکات و سکنات خدا کی طرف سے ہین، کسی کو خدا کے اذن کے بغیر اس کے ملک مین تصرف نہین ہے، اور ہر چیز کی ذات اس کی ذات سے ہے، ہر چیز کا اثر اس کے اثر سے ہے، ہر شے کی صفت اس کی صفت سے ہے، متحرک اس سے متحرک ہے، اور ساکن اس سے ساکن ہے، بندہ کا فعل محض مجازاً ہے، ورنہ درحقیقت وہ فعل خداوند عالم کا ہے،

دوسرا پردہ توحید کا ہے، توحید تین طرح پر ہوتی ہے (۱) یعنی خداوند تعالیٰ کو خود بھی اپنی وحدانیت کا علم ہے (۲) خداوند تعالیٰ بندون کو اپنی وحدانیت تسلیم کرنے کا حکم دیتا ہے (۳) بندون کو خداوند تعالیٰ کی وحدانیت کا علم ہوتا ہے، اور جب سالک کو یہ علم بدرجۂ اتم حاصل ہو جاتا ہے تو وہ محسوس کرتا ہے کہ خداوند تعالیٰ ایک ہے جو فصل و وصل کو قبول نہین کرتا، وہ قدیم ہے، اس لئے حادث نہین، وہ محدود نہین جس کے لئے طرفین ہون، وہ مکین نہین جس کے لئے مکان ہو، وہ عرض نہین جس کے لئے جوہر ہو، وہ کوئی طبع نہین کہ اس مین حرکت اور سکون ہو، وہ کوئی روح نہین کہ اس کے لئے بدن ہو، وہ کوئی جسم نہین کہ اس کے لئے اجزاء ہون، وہ قوت اور حال نہین، کہ اور چیزون کی جنس ہو، وہ کسی چیز سے نہین کہ کوئی چیز اس کا جزء ہو، اس کی ذات و صفات مین کوئی تغیر نہین، وہ حی ہے، وہ جاننے والا ہے، سننے والا ہے، دیکھنے والا ہے، کلام کرنے والا ہے، اور باقی رہنے والا ہے، وہ جو کچھ چاہتا ہے، وہی کرتا ہے، اور وہی چاہتا ہے جو جانتا ہے، اس کا حکم اس کی مشیت سے ہے، اور بندون کو اس کے بجالانے کے سوا کوئی چارہ نہین، وہی نفع اور نقصان کا باعث ہے، وہی نیکی اور بدی کا اندازہ کرنے والا ہے،

تیسرا پردہ ایمان کا ہے، اس مین یہ بحث ہے کہ ایمان کی علت کیا ہے، معرفت یا طاعت، ایک گروہ کا خیال ہے کہ ایمان کی علت معرفت ہے، اگر معرفت ہو اور طاعت نہ ہو تو اللہ تعالیٰ بندہ سے مواخذہ نہ کرے گا، لیکن طاعت ہو اور معرفت نہ ہو تو بندہ نجات نہین پائے گا، ہجویریؒ کے نزدیک وہ معرفت پسندیدہ نہیں ہے، جس مین طاعت نہ ہو، ان کے نزدیک معرفت شوق اور محبت کا نام ہے اور شوق آ

محبت کی علامت طاعت ہے، شوق اور محبت جس قدر زیادہ ہوتی جائیگی، اسی قدر فرمانِ الٰہی کی تعظیم زیادہ بڑھتی جائے گی، یہ کہنا غلط ہے کہ طاعت کی ضرورت اسی وقت تک ہے، جب تک کہ خداوند تعالیٰ کی معرفت حاصل نہ ہو، اور حصولِ معرفت کے بعد دل شوق کا محل بن گیا اور جسمانی طاعت کی تکلیف اٹھ گئی، بلکہ صحیح یہ ہے کہ جب قلب خدا کی دوستی کا محل، آنکھیں اس کے دیدار کا محل، جان عبرت کا محل اور دل مشاہدہ کا مقام ہوگیا، تو پھر تن کو اس کی طاعت نہ کرنی چاہئے،

چوتھا پردہ طہارت کا ہے، ہجویریؒ کے نزدیک ایمان کے بعد طہارت فرض ہے، اس کی دو قسمیں ہیں، (۱) طہارت ظاہر (۲) طہارتِ باطن، طہارتِ ظاہر سے مراد بدن کا پاک ہونا ہے، جس کے بغیر نماز درست نہیں اور طہارت باطن سے مراد دل کا پاک ہونا ہے، جس کے بغیر معرفت حاصل نہیں ہوسکتی، باطن کی طہارت خدا کی بارگاہ میں توبہ سے ہوتی ہے، جو سالک کا پہلا مقام ہے، توبہ کے معنی ہیں خداوند تعالیٰ کے خوف سے اس کے نواہی سے باز رہنا، توبہ کے لئے تین شرطیں ہیں (۱) خدا کے حکم کی مخالفت پر تاسف ہو (۲) یہ مخالفت فوراً ترک کردی گئی ہو (۳) اس کی طرف لوٹنے کا خیال نہ ہو، یہ شرطیں اسی وقت ممکن ہیں، جب ندامت ہو، اس ندامت کے لئے بھی تین شرطیں ہیں (۱) عقوبت کا خوف ہو (۲) یہ خیال ہو کہ بُرے کاموں کا حاصل کچھ بھی نہیں (۳) نافرمانیوں سے پشیمانی ہو کہ خدا سب کچھ دیکھتا ہے،

ندامت سے توبہ کرنے والوں کی بھی تین قسمیں ہیں،

(۱) عذاب کے ڈر سے - اس کو توبہ کہتے ہیں جو عام بندے کیا کرتے ہیں،

(۲) ثواب کی خواہش سے - یہ انابت ہے جو اولیاء اللہ کے لئے مخصوص ہے،

(۳) حصول عرفاں کے لئے - یہ اوابت ہے، جو انبیاء و مرسلینؑ کے لئے ہے،

آگے چل کر توبہ کی بھی تین قسمیں بتائی گئی ہیں :-

(۱) خطا سے صواب کی جانب ہو، یعنی گناہ کرنے والا بخشش کا خواستگار ہو، یہ توبہ عام ہے،

(۲) صواب سے صواب کی طرف ہو، یہ اہل ہمت اور خاص لوگوں کی توبہ ہے،

(۳) خودی سے حق تعالیٰ کی طرف ہو، یہ محبت کی دلیل ہے،

پانچواں حجاب نماز کا ہے، اس میں شیخ ہجویریؒ نے صوفیانہ رنگ میں بتانے کی کوشش کی ہے کہ نماز بندوں کو خدا کے راستہ پر پہنچاتی ہے، اور ان پر اس راہ کے تمام مقامات کھل جاتے ہیں، وضو یعنی جسم کی طہارت



توبہ (یعنی باطن کی طہارت) ہے، قبلہ رو ہونا، مرشد سے تعلق پیدا کرنا ہے، قیام نفس کا مجاہدہ ہے، قرات ذکر ہے، رکوع تواضع ہے، سجدہ نفس کی معرفت ہے، تشہد انس یعنی محبت کا مقام ہے، اور سلام دنیا سے تنہا ہو کر مقامات سے باہر آنا ہے،

نماز کے سلسلہ میں بہت سی بحثیں ہیں، مثلاً صوفیہ کا ایک گروہ نماز کو حضور کا ذریعہ (آلہ) اور دوسرا غیبت کا محل سمجھتا ہے، لیکن ہجویریؒ نے دونوں کی تردید کی ہے، ان کے دلائل یہ ہیں، کہ اگر نماز حضور کی علت ہوتی تو نماز کے سوا حضوری نہ ہوتی، اور اگر غیبت کی علت ہوتی تو غائب نماز کو ترک کرنے سے حاضر ہوتا، چنانچہ ہجویریؒ کے نزدیک نماز محض اپنی ذات کا ایک غلبہ ہے، جس کا تعلق غیبت اور حضور سے نہیں،

ایک بحث یہ بھی ہے کہ نماز سے تفرقہ ہوتا ہے، یا جمع، جن کو نماز میں تفرقہ ہوتا ہے، وہ فرض اور سنت کے سوا نمازیں بہت کم پڑھتے ہیں، اور جن کو جمع کی کیفیت حاصل ہوتی ہے، وہ رات دن نمازیں پڑھا کرتے ہیں، شیخ ہجویریؒ کے نزدیک نماز پڑھنے والوں کے لئے نفس کا فنا کرنا ضروری ہے، مگر اس کے لئے ہمت کو جمع کرنے کی ضرورت ہے، اور جب ہمت جمع ہوجاتی ہے تو نفس کا غلبہ ختم ہوجاتا ہے، کیونکہ نفس کی حکومت تفرقہ سے قائم رہتی ہے، تفرقہ عبادت کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتا ہے،

شیخ ہجویریؒ کی رائے میں اصلی نماز یہ ہے کہ جسم عالم ناسوت میں ہو اور روح عالم ملکوت میں، صوفیائے کرام نے ایسی نمازیں پڑھی ہیں، حضرت حاتم اصمؒ فرمایا کرتے تھے، کہ جب میں نماز پڑھتا ہوں تو بہشت کو اپنی سیدھی جانب اور دوزخ کو پشت کی جانب دیکھتا ہوں، حضرت ابو الخیر اقطعؒ کے پاؤں میں آکلہ ہوگیا تھا، اطبا نے پاؤں کاٹنا چاہا، مگر وہ راضی نہ ہوئے، ایک روز وہ نماز سے فارغ ہوئے، تو پاؤں کو کٹا ہوا پایا، ایک بی بی کو نماز میں بچھو نے چالیس بار ڈنک مارا، مگر ان کی حالت میں کسی قسم کا تغیر نہ ہوا، وہ نماز سے فارغ ہوئیں تو ان سے پوچھا گیا، کہ بچھو کو کیوں نہیں اپنے سے دور کیا، بولیں خدا کے کام کے درمیان اپنا کام کیسے کرتی،

چھٹا حجاب زکوٰۃ ہے، جو ایمان کا جز ہے، اس سے روگردانی جائز نہیں، سالک کو زکوٰۃ میں نہ صرف سخی، بلکہ جواد ہونا چاہئے، سخی سخاوت کے وقت اچھے اور بُرے مال میں اور اس کی زیادتی و کمی میں تمیز کرتا ہے، مگر جواد کے ہاں اس قسم کا فرق و امتیاز نہیں ہوتا،

اس موقع پر ایک سوال یہ پیدا ہوسکتا ہے کہ صوفی کے فقر مین زکوٰۃ کی گنجایش کہان؟ مگر ہجویریؒ کے نزدیک زکوٰۃ صرف مال ہی کی نہیں ہر شے کی ہوتی ہے زکوٰۃ کی حقیقت نعمت کی شکر گذاری ہے تندرستی ایک نعمت ہے، جس کے لئے زکوٰۃ لازم ہے، اس کی زکوٰۃ سب اعضا کو عبادت مین مشغول رکھنا ہے باطن بھی ایک نعمت ہے، اس کی زکوٰۃ عرفان حاصل کرنا ہے، الخ الخ

ساتوان حجاب روزہ ہے، شیخ ہجویریؒ کے نزدیک روزہ سے مراد حواس خمسہ کو اس طرح مقید کرنا ہے کہ نفس و ہوا کا گزر نہ ہو، بھوک سے بحث کرتے ہوے بتایا ہے کہ اس سے نفس مین فتادگی اور دل مین عاجزی پیدا ہوتی ہے، اگرچہ بھوک سے جسم بلا مین مبتلا ہوتا ہے، لیکن دل کو روشنی، جان کو صفائی اور سِر کو بقا حاصل ہوتی ہے، حضرت ابو العباس قصابؒ فرمایا کرتے تھے، کہ جب مین کھاتا ہون، تو اپنے مین گناہون کا مادہ پاتا ہون، اور جب کھانے سے ہاتھ اٹھا لیتا ہون، تو سب طاعتون کی اصل پاتا ہون، حضرت عبد اللہ تستریؒ پندرہ روز مین ایک دفعہ کھانا کھاتے تھے، اور جب ماہ رمضان المبارک شروع ہوتا تھا، تو معمولی افطار کے سوا عید تک وہ کچھ نہین تناول فرماتے تھے، حضرت ابراہیم ادہمؒ بھی رمضان المبارک مین کوئی چیز نہ کھاتے تھے، حالانکہ سخت گرمی کا موسم ہوتا تھا، روزانہ گیہون کاٹنے کی مزدوری پر جایا کرتے تھے، اور جو کچھ مزدوری ملتی تھی اس کو فقرا، اور مساکین کو دیدیا کرتے تھے،

آٹھوان حجاب حج کا ہے، ہجویریؒ کے نزدیک حج کے لئے ایک صوفی کا نکلنا گناہون سے توبہ کرنا ہے، کپڑے اتار کر احرام باندھنا انسانی عادتون سے علحدہ ہونا ہے، عرفات مین قیام کرنا مشاہدہ کا کشف حاصل کرنا ہے، مزدلفہ جانا نفسانی مرادون کو ترک کرنا ہے، خانہ کعبہ کا طواف کرنا خداے تعالیٰ کے جمال باکمال کو دیکھنا ہے، صفا اور مروہ مین دوڑنا دل کی صفائی اور اس مین مروت حاصل کرنا ہے، منیٰ مین آنا آرزوؤن کو ساقط کرنا ہے، قربانی کرنا گویا نفسانی خواہشون کو ذبح کرنا ہے اور کنکریان پھینکنا بُرے ساتھیون کو دور کرنا ہے، جس صوفی کو حج میں یہ کیفیات حاصل نہین ہوئین، اس نے گویا حج نہین کیا،

شیخ ہجویریؒ نے حج کو مقام مشاہدہ قرار دیا ہے، اس لئے اس باب مین مشاہدہ پر بحث کی ہے، حضرت ابو العباسؒ نے فرمایا کہ مشاہدہ یقین کی صحت اور محبت کا غلبہ ہے، یعنی جب خداوند تعالیٰ کی محبت کا غلبہ اس درجہ پر ہو کہ اس کی کلیت اس کی حدیث ہو جائے، تو پھر اللہ کے سوا کوئی اور چیز دکھائی نہین دیتی، حضرت شیخ شبلیؒ فرماتے ہین، کہ مین نے جس چیز کی طرف دیکھا، خداوند عالم کے لئے دیکھا، یعنی اس کی محبت کا غلبہ اور اسکی



قدرت کا مشاہدہ کیا، ان دونون اقوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ مشاہدہ مین ایک گروہ فاعل کو اور دوسرا فاعل کے فعل کو دیکھتا ہے، ہجویریؒ کے نزدیک مشاہدہ دل کا دیدار ہے، دل پرتو انوار الٰہی ہے، اس لئے ظاہر اور باطن مین حق تعالیٰ کا دیدار کرتا ہے، اور یہ دیدار اور کیفیت ہے، جو ذکر و فکر مین حاصل ہوتی ہے،

اس کے بعد مختلف ابواب مین ہجویریؒ نے سالک کے طریق آداب پر بحث کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ (۱) سالک ہر حال مین حق کے احکام کا اتباع کرتا ہو (۲) بندون کا حق بھی ادا کرتا ہو (۳) اس کے لئے کسی شیخ کی صحبت ضروری ہے، کیونکہ تنہائی اس کے لئے آفت ہے، (۴) جب کوئی درویش اس کے پاس آئے تو عزت کے ساتھ اس کا استقبال کرے (۶) سفر کرے تو خدا کے واسطے کرے یعنی اس کا سفر حج یا غزوہ یا علم یا کسی شیخ کی تربت کی زیارت کے لئے ہو (۶) اس کا کھانا اور پینا بیمارون کے کھانے اور پینے کے مانند ہو اور حلال ہو اور وہ دنیا دار کی دعوت قبول نہ کرے (۷) چلے تو خاکساری اور تواضع سے چلے، رعونت اور تکبر اختیار نہ کرے (۸) اسی وقت سوئے جب نیند کا غلبہ ہو (۹) خاموش رہے، کیونکہ خاموشی گفتار سے بہتر ہے، لیکن اس کی گفتار کے ساتھ حق ہو تو وہ خاموشی سے بہتر ہے (۱۰) کسی چیز کی طلب کرے تو خدا سے کرے (۱۱) تجرد کی زندگی سنت کے خلاف ہے، اس کے علاوہ تجرد مین نفسانی خواہشات کا غلبہ رہتا ہے، لیکن اگر سالک خلق سے دور رہنا چاہتا ہو تو مجرد رہنا اس کے لئے زینت ہے،

آخر مین سماع پر بحث ہے، ہجویریؒ کے نزدیک سماع مباح ہے، مگر اس کے لئے حسب ذیل شرطین ہین، سالک سماع بلا ضرورت نہ سنے، اور طویل وقفہ کے بعد سنے، تاکہ اس کی تعظیم دل مین قائم رہے، محفل سماع مین مرشد موجود ہو، عوام شریک نہ ہون، قوال فاسق نہ ہون، سماع کے وقت دل دنیاوی علائق سے خالی ہو، طبیعت لہو و لعب کی طرف مائل نہ ہو، اگر وجد کی کیفیت طاری ہو جائے، تو اوس کو تکلف کے ساتھ نہ روکے، اور یہ کیفیت جاتی رہے تو تکلف کے ساتھ اس کو جذب کرنے کی کوشش نہ کرے، وجد کے وقت کسی سے مساعدت کی امید نہ رکھے، اور کوئی مساعدت کرے، تو اس کو نہ روکے، قوال کے گانے کی اچھائی اور برائی کا اظہار نہ کرے، محفلِ سماع مین لڑکے نہ ہون، ہجویریؒ نے سماع کے وقت رقص کو کسی حال مین بھی پسند نہین کیا ہے، بلکہ اس کو فرقۂ حلولیہ کا طریقہ بتایا ہے جو ان کے نزدیک کافر و زندیق ہین،

**خواجہ معین الدین چشتیؒ**

ہندوستان مین سلسلۂ چشتیہ کے بانی خواجہ معین الملۃ والدین حسن چشتی سجزی قدس سرہٗ العزیز بلدۂ سجستان مین پیدا ہوئے[1]، سلسلۂ نسب یہ ہے،

---

[1] سیر العارفین میں آپکے مولد شریف کا نام دار سنجان (؟) اور سیر الاقطاب مین اصفہان لکھا ہے، تاریخ فرشتہ

خواجہ معین الحق والدین بن غیاث الدین بن سید کمال الدین بن سید احمد حسین بن سید طاہر بن سید عبد العزیز بن سید ابراہیم بن امام علی رضا بن موسیٰ کاظم بن امام جعفر بن محمد باقر بن امام علی زین العابدین بن سید الکونین امام حسین بن علی المرتضیٰ رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین،

بارہ[1] سال کی عمر میں والد بزرگوار کا سایہ سر سے اٹھ گیا، ترکہ میں ایک باغ ملا، اس کی نگہبانی کرتے تھے، ایک روز ابراہیم قلندر نامی ایک مجذوب باغ میں آئے، خواجہ معین الدینؒ نے انگور کے خوشے پیش کئے، لیکن انھوں نے انگور نہ کھایا، اور کھلی (کنجارہ) کو دانتوں سے چبا کر خواجہ صاحب کے منہ میں دیا، کھلی کا کھانا تھا، کہ خواجہ صاحب کا دل انوار الٰہی سے روشن ہوگیا،[2] علائقِ دنیا سے برگشتہ ہو کر طلبِ خدا میں اٹھ کھڑے ہوئے، اور سمرقند پہونچے، یہاں کلام پاک حفظ کیا، اور علوم ظاہری کی تعلیم میں مشغول رہے،[3]

سمرقند سے نکل کر عراق کی طرف روانہ ہوئے، قصبۂ ہاروَن[4] میں حضرت شیخ عثمانی ہارونی قدس سرہٗ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے، اور ان سے شرفِ بیعت حاصل کیا، سیر العارفین کے مولف کا بیان ہے خواجہ صاحب شیخ عثمانی ہارونیؒ کی خدمت میں ڈھائی سال رہے، اور ریاضات و مجاہدات میں زندگی بسر کی، سیر الاقطاب، اخبار الاخیار، مونس الارواح، سفینۃ الاولیاء میں ہے کہ بیس سال تک اپنے پیر کی

(بقیہ حاشیہ ص ۸۳) جلد دوم صفحہ ۳۱۵ میں ہے، "تولد او در بلدۂ سجستان بود"، اکبر نامہ میں ہے "خواجہ از سیستان است و او را سنجری نویسند کہ معرب سنگزی است (جلد دوم ص ۱۵۴) تزک جہانگیری میں ہے "مولد آنجناب سیستان ست ازین جہت ایشان را سنجری نویسند کہ معرب سنگزی است" (ص ۴) راقم الحروف کے خیال میں سنجری کتابت کی غلطی ہے جو عوام و خواص میں پھیل گئی، دراصل صحیح لفظ سجزی ہے، عرب جغرافیہ نویس سیستان یا سجستان کو سجز بھی کہتے ہیں جس کی نسبت سجزی ہے، اس لئے معین الدین سنجری کے بجائے سجزی صحیح ہے، سیر الاقطاب کے مصنف کا یہ کہنا کہ "آن حضرت اصل از سادات سنجرستان است" محض قیاس ہے،

[1] سیر الاقطاب ص ۱۰۱ اور مونس الارواح (قلمی نسخہ دار المصنفین) میں پندرہ سال مذکور ہے [2] سیر العارفین (اردو ترجمہ شمس المطابع) ص ۵ خزینۃ الاصفیاء (مطبع ثمر ہند لکھنو) ص ۲۵ و مونس الارواح (قلمی نسخہ دار المصنفین) [3] سیر العارفین میں ہے کہ حفظ کلام پاک اور تحصیل علوم ظاہری سمرقند اور بخارا میں کی [4] یہ قصبہ نیشاپور کے حدود میں واقع ہے، خیر المجالس میں ہے: "خواجہ فرمود کہ ہارونی نیست ہرونی است، ہرون دیہی است، خواجہ دران دہ بود" (بحوالہ اخبار الاخیار ص ۵۰)



خدمت میں رہے، اس مدت میں خواجہ صاحب نے اپنے پیر و مرشد کے ساتھ دس سال تک سیاحت کی (مونس الارواح) اسی سلسلہ میں مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی بھی زیارت کی، پیر و مرشد نے ان کے حق میں خدا اور اس کے رسول کی بارگاہ میں دعائیں کیں، عالم غیب سے ندا آئی،

"معین الدین دوست ماست او را قبول کردم و برگزیدم"

مدینہ منورہ ہی میں بارگاہِ رسالت سے خواجہ صاحب کو ہندوستان جانے کی بشارت ملی، (سیر الاقطاب و مونس الارواح)

شیخ عثمان ہارونیؒ کو خواجہ صاحب سے بڑی شیفتگی اور محبت تھی، وہ فرمایا کرتے تھے، کہ

"معین الدین محبوب خدا است و مرا فخر است بر مریدی او"[1]

چنانچہ خواجہ صاحب کو خرقۂ خلافت سے سرفراز کیا، اس وقت ان کا سن شریف ۵۲ برس کا تھا، (مونس الارواح) اور جب وہ پیر سے رخصت ہونے لگے، تو ان کو عزیز مرید کی فرقت گوارا نہ ہوئی، اور بغداد کے سفر میں ساتھ رہے،[2]

ہارون سے خواجہ صاحب بغداد کی طرف روانہ ہوئے، اسنجان پہنچ کر شیخ نجم الدین کبریٰ کی خدمت میں ڈھائی سال مقیم رہے،[3] وہاں سے چل کر جیل پہونچے، اور حضرت شیخ محی الدین ابی محمد عبد القادر جیلانیؒ سے شرف نیاز حاصل کیا، اور ان کی معیت میں بغداد آئے، جہاں شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی، اور ان کے پیر شیخ ضیاء الدین کی صحبت سے مشرف ہوئے، اور یہیں خواجہ اوحد الدین کرمانی قدس سرہٗ سے فیضیاب ہو کر ان سے خرقۂ خلافت پایا،[4]

بغداد سے ہمدان آکر خواجہ یوسف ہمدانی سے ملاقات کی، ہمدان سے تبریز پہونچے، اور شیخ جلال الدین تبریزی کے پیر طریقت حضرت ابو سعید تبریزیؒ کی زیارت کی، اور ان کی صحبت سے متمتع ہوئے، وہاں سے استرآباد پہنچے، استرآباد میں شیخ ناصر الدین استرآبادی کی صحبت سے مشرف ہوئے، شیخ ناصر الدین بایزید بسطامی کی اولاد میں تھے، اس وقت ان کا سن شریف ایک سو ستائیس سال کا تھا، استرآباد سے ہری ہوتے ہوئے خواجہ صاحب سبزوار پہونچے، اور وہاں سے حصار رونق افروز ہوئے، حصار سے بلخ آئے، اور عرصہ تک شیخ احمد خضرویہ کی

[1] سیر العارفین ص ۰، سفینۃ الاولیاء ص ۱۵۰، سیر الاقطاب ص ۱۰۳، نولکشور پریس و مونس الارواح [2] سیر العارفین ص ۵ و خزینۃ الاصفیاء ص ۲۵۷ [3] ایضاً [4] ایضاً

خانقاہ مین مقیم رہے، بلخ سے غزنی کی طرف روانہ ہوئے، یہان شیخ نظام الدین ابو المؤید کے پیر شیخ عبد الواحد غزنوی کی زیارت کی، اور پھر وہان سے ہندوستان کی طرف قصد کیا،

جس وقت وہ ہندوستان آئے، اس وقت شیخ علی ہجویری کا انتقال ہو چکا تھا، لیکن لاہور مین شیخ سعد الدین حمویہ کے پیر شیخ حسین زنجانی بقید حیات تھے، انھون نے بڑے خلوص و محبت سے خواجہ صاحب کا خیر مقدم کیا، وہان سے خواجہ صاحب ملتان آئے، اور وہان پانچ سال رہکر ہندوؤن کی زبان (شاید سنسکرت اور پراکرت) سیکھی، یہان سے وہ دہلی فرد کش ہوئے، اور دہلی سے اجمیر، دسوین محرم ۵۶۱ھ مین نزول اجلال فرمایا، اور یہین آخر وقت تک قیام رہا، اس زمانہ مین اجمیر اور دہلی کا حکمران چوہان خاندان کا مشہور راجپوت راجہ پتھورا تھا، اس کے حکام نے خواجہ صاحب کے قیام مین بڑی مزاحمت کی، اور جب وہ خود ان کے مقابلہ مین بے بس اور لاچار رہے، تو ہندو جوگیون کو اپنے سحر اور جادو سے خواجہ صاحب کو مغلوب کرنے کے لئے مامور کیا، لیکن خواجہ صاحب اپنی روحانی قوت اور کرامت سے ان پر غالب رہے، اور رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا، ان کی تعلیم سے راجہ پتھورا کے ملازمین بھی مشرف بہ اسلام ہونے لگے، راجہ نے خواجہ صاحب کو اجمیر سے نکال دینے کی دھمکی دی، مگر خواجہ صاحب نے دھمکی پر صرف یہ ارشاد فرمایا کہ "ما او را بیرون کردیم و دادیم"[1] یہ پیشینگوئی صحیح ثابت ہوئی، سلطان شہاب الدین غوری نے پتھورا کے خلاف ۵۸۷ھ اور ۵۸۸ھ مین دو حملے کئے، اور آخری حملہ مین پتھورا گرفتار ہو کر مارا گیا، اس کے بعد مسلمانون کے سیاسی اقتدار اور خواجہ صاحب کے فیوض و برکات سے ہندوستان اسلام کے نور سے منور ہو گیا، اسی لئے خواجہ صاحب کا لقب "وارث النبی فی الہند" ہے،

اجمیر کے قیام کے زمانہ مین خواجہ صاحب نے دو شادیان کین جن مین ایک تو سید وجیہ الدین مشہدی کی دختر نیک اختر تھین، اور دوسری کسی ہندو راجہ (؟) کی لڑکی تھین جو مشرف باسلام ہو گئی تھین، پہلے نکاح کے ستائیس برس کے بعد[2] عالم بقا کو رحلت فرمائی، تاریخ وفات روز دوشنبہ ۶ رجب المرجب ۶۳۲ھ ہے، سیر العارفین کے مصنف کا بیان ہے، کہ وفات کے وقت سن شریف ۹۷ سال تھا،[3] لیکن سفینۃ الاولیاء مین رحلت کے وقت آپکا سن ۱۰۳[4] اور مونس الارواح مین ۱۰۰ سال لکھا ہے[5]،

[1] اخبار الاخیار مین یہ الفاظ اس طرح ہین، فرمود پتھورا را زندہ گرفتیم و دادیم، (ص ۲۲) [2] بعض تذکرہ نویس سات اور بعض سترہ برس بھی لکھتے ہین، (مونس الارواح) [3] سیر العارفین ص ۱۶ [4] سفینۃ الاولیاء ص ۱۵۹



ہندوستان کے صوفیائے کرام مین خواجہ صاحب کا مرتبہ سب سے زیادہ بلند ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ان کو "قطب المشائخین"[1] کے لقب کی بشارت ملی،

خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے ان کو "ملک المشائخ، سلطان السالکین، منہاج المتقین، قطب الاولیاء، شمس الفقراء، ختم المہتدین" کے لقب سے یاد کیا ہے[2]،

سیر العارفین کے مؤلف نے ان کو سلطان العاشقین اور برہان العارفین[3] لکھا ہے،

سیر الاقطاب کے مصنف نے قطب الاقطاب، حجۃ الاولیاء، مہبط انوار، مخزن المعرفت والحقیقت پردہ انداز اسرار غیبی چہرہ کشائے صور لاریبی[4]، صاحب سفینۃ الاولیاء نے "زبدۂ مشائخ اجل و قدوۂ اولیائے اکمل" لکھا ہے[5]، مولانا عبد الحق محدث دہلوی نے ان کو "سر حلقۂ مشائخ کبار"[6] لکھا ہے،

خواجہ صاحب کے فیوض و برکات اور کرامات و خوارق عادات عام طور سے بہت مشہور ہین، اور آج بھی ان کی ابدی خوابگاہ کی زیارت کے لئے ہندوستان کے ہر گوشہ کے لوگون کا ہجوم رہتا ہے،

خواجہ صاحب نے کوئی مستقل تصنیف نہین چھوڑی ہے:-

"فرید الدین گنج شکر فرمود کہ شیخ نظام الدین می فرمود کہ من ہیچ کتابے نہ نوشتہ ام زیرا کہ شیخ الاسلام فرید الدین و شیخ الاسلام قطب الدین و از خواجگان چشت ہیچ شخصے تصنیف نہ کردہ است، (خیر المجالس بحوالہ اخبار الاخیار ص ۷)

مگر خواجہ صاحب کے ملفوظات کو ان کی تصانیف سمجھ کر مندرجۂ ذیل کتابین ان کی جانب منسوب کرتے ہین:-

"انیس الارواح (۲) رسالہ در کسب نفس" (۳) دلیل العارفین،

انیس الارواح مین خواجہ صاحب نے اپنے مرشد خواجہ عثمان ہارونی کی ۲۸ صحبتون کے ملفوظات جمع کئے ہین، ان ملفوظات مین تصوف کے مہمات مسائل و نکات پر بحث نہین کی گئی ہے، بلکہ اقوال کے ذریعہ سے بعض شرعی، اخلاقی اور دنیاوی مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے، مثلاً نماز اور شریعت کے فرائض کا منکر کافر ہے، صدقہ دینا ہزار رکعت پڑھنے سے افضل ہے، مومن کو گالی دینا اپنی ماں بہن سے زنا کرنا ہے، ایسے شخص کی دعا

[1] سیر الاقطاب ص ۱۰۳ و مونس الارواح [2] دلیل العارفین مطبع مجتبائی ص ۳ [3] سیر العارفین ص ۴ [4] سیر الاقطاب ص ۱۰۳ [5] سفینۃ الاولیاء ص ۵۰ [6] اخبار الاخیار ص ۲۲،

تو دن تک مستجاب نہیں ہوتی ہے، پیشہ کرنے والا اللہ تعالیٰ کا دوست ہے، لیکن جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ پیشہ ہی کے ذریعہ سے روزی ملتی ہے، وہ کافر ہے، کیونکہ رزاق مطلق خدا ہے، مصیبت میں چلانا، نوحہ کرنا، اور کپڑے پھاڑنا ستر مسلمانوں کے خون کرنے کے برابر ہے، مومن وہ شخص ہے، جو تین چیزوں کو دوست رکھتا ہے، درویشی، بیماری اور موت، حاجتمندوں کی مدد کرنے والا اللہ کا دوست ہے، اگر کوئی شخص اوراد و وظائف میں مشغول ہو، اور کوئی حاجت مند آجائے تو لازم ہے، کہ وہ اوراد و وظائف کو چھوڑ کر اس کی طرف متوجہ ہو، اور اپنے مقدور کے مطابق اس کی حاجت پوری کرے، افضل ترین زہد موت کو یاد کرنا ہے، تین گروہ بہشت کی بو تک نہ پائیں گے، ایک جھوٹ بولنے والا درویش، دوسرا کنجوس، تیسرا خیانت کرنے والا سوداگر،

دلیل العارفین - اس کتاب میں خواجہ صاحب کی گیارہ صحبتوں کے ملفوظات ہیں، جن کو ان کے مرید حضرت بختیار کاکیؒ نے جمع کیا ہے، یہ ۵۶ صفحہ کا ایک مختصر رسالہ ہے، جو مطبع مجتبائی دہلی سے چھپ کر شائع ہو گیا ہے، اس میں مختلف دینی مسائل و صوفیانہ رموز مثلاً نماز، وضو، طہارت، جنابت، غسل، صدقہ، شریعت، حقیقت، طریقت، محبت الٰہی، عشق الٰہی، معرفتِ الٰہی، عذابِ قبر، توقیر گورستان، گناہ کبیرہ، عبادتِ اہل سلوک، دوزخ، فضیلت سورۂ فاتحہ، و سورہ یٰسین، کشف و کرامت، صحبت نیک و بد، توکل، توبہ اور تجرید پر جستہ جستہ مختصر مگر جامع اور بصیرت افروز اشارے اور کنایے ہیں، جن کو سمجھنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی ہے،

ان ملفوظات کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ خواجہ صاحب کے نزدیک اہل سلوک کا ہر قسم کے صوری و معنوی اخلاق و محاسن کا حامل ہونا ضروری ہے، کیونکہ ان کے نزدیک تصوف نہ علم ہے، اور نہ رسم بلکہ مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ کا ایک خاص اخلاق ہے، (ص ۴۴) جو ہر لحاظ سے مکمل ہونا چاہئے،

صوری حیثیت سے اس اخلاق کی تکمیل یہ ہے کہ سالک اپنے ہر کردار میں شریعت کا پابند ہو، جب اس سے کوئی بات خلافِ شریعت سرزد ہو گی، تو وہ دوسرے مقام پر پہنچے گا، جس کا نام طریقت ہے، اور جب اس میں ثابت قدم رہے گا، تو معرفت کا درجہ حاصل کرے گا، اور جب اس میں بھی پورا اترے گا، تو حقیقت کا مرتبہ پائے گا، جس کے بعد وہ جو کچھ مانگے گا، اس کو ملے گا، اسی لئے خواجہ صاحب نے شریعت کے تمام ارکان، اور جزئیات خصوصاً نماز کی پابندی پر زور دیا ہے، نماز کو مومن کی معراج کہا ہے، چنانچہ فرمایا ہے



کہ جب وہ نماز پڑھے، تو اس طرح کہ وہ گویا انوار تجلی کا مشاہدہ کر رہا ہے[1]، اس سلسلہ میں اور بہت سی ضمنی باتوں کا ذکر آگیا ہے، مثلاً خواجہ صاحب کا ارشاد ہے، کہ راہِ سلوک میں چار گناہ کبیرہ ہیں[2] (۱) گورستان میں قہقہہ لگانا (۲) گورستان میں کھانا پینا، کیونکہ یہ عبرت کا مقام ہے (۳) مردم آزاری کرنا (۴) خدا کا نام لے کر لرزہ اندام نہ ہونا، سالک کو ان گناہوں سے بچنا لازمی ہے،

خواجہ صاحب نے اہل سلوک کی منجملہ عبادتوں میں پانچ اور عبادتیں بتائی ہیں (۱) والدین کی خدمت (۲) کلام اللہ کی تلاوت (۳) علماء و مشائخ کی تعظیم اور دوستی (۴) خانہ کعبہ کی زیارت (۵) پیر کی خدمت[3]

ایک عارف کی معنوی خوبیوں کا اندازہ خواجہ صاحب کے مندرجہ ذیل ارشاداتِ عالیہ سے ہو گا،

"عارف علم کے تمام رموز سے واقف رہتا ہے، اسرار الٰہی کے حقائق اور انوار الٰہی کے دقائق کو آشکارا کرتا ہے[4]،

عارف عشقِ الٰہی میں کھو جاتا ہے، اور اٹھتے بیٹھتے سوتے اور جاگتے اسی کی قدرتِ کاملہ میں محو اور متحیر رہتا ہے[5]،

عارف پر جب حال کی کیفیت طاری ہوتی ہے، تو وہ اس میں ایسا مستغرق ہو جاتا ہے، کہ اگر ہزاروں فرشتے بھی اس سے مخاطب ہوں تو وہ ان کی طرف متوجہ نہیں ہوتا، عارف ہمیشہ مسکراتا رہتا ہے، عالم ملکوت میں خداوند تعالیٰ کی بارگاہ میں مقربین پر اس کی نظر پڑتی ہے، اور وہ ان کے حرکات و سکنات کو دیکھ کر مسکراتا ہے[6]،

عرفان میں ایک ایسی حالت پیدا ہوتی ہے کہ عارف ایک قدم بڑھا کر عرش سے حجاب عظمت، اور حجاب عظمت سے حجاب کبریا تک پہنچ جاتا ہے، اور دوسرے قدم میں واپس آجاتا ہے، یہ تو عارف کا کمترین درجہ ہے، ایک عارف کامل کہاں تک پہنچ جاتا ہے، وہ خدا ہی جانتا ہے[7]،

عارف دونوں جہان سے قطع تعلق کر کے یکتا (فرد) ہو جاتا ہے، اور جب یہ یکتائی (فردائیت) حاصل کر لیتا ہے، تو وہ ہر چیز سے بیگانہ نظر آتا ہے[8]،

عارف وہی ہے کہ وہ جہان بھی ہو، اس کی خواہش کے مطابق کام انجام پائے، وہ نہیں ہے جو

---

[1] دلیل العارفین مطبع مجتبائی ص۵ [2] دلیل العارفین ص ۱۵-۱۶-۱۷-۱۸ [3] ص ۴۲-۴۴ [4] ص ۵ [5] ص ۵ [6] ص ۵ [7] ص ۶ [8] ص ۹ [9] ص ۸

کسی چیز کے پیچھے پریشان ہو[1]

عارف کے مراتب ہوتے ہین، جب ان کو وہ طے کر لیتا ہے تو وہ دنیا کو اپنی انگلیون کے حلقہ مین دیکھتا ہے[2]

عارف کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اس مین صفاتِ الٰہی کا ظہور ہو، اور خداے تعالیٰ سے عارف کی محبت کا کمال یہ ہے کہ وہ اپنے اوپر دل کے نور کو ظاہر کر دے، اور کوئی شخص دعوی کے ساتھ آئے تو اس کو اپنی کرامت سے مغلوب کرے[3]

"اگر کسے بروی بدعوی آید آن را بقوت کرامت ملزم کند"

اگر کوئی شخص کرامت دیکھنا چاہے تو اس کو خدا کی اجازت سے کرامت دکھلانی چاہئے،

عارف خاموش رہتا ہے، تو وہ گویا خداے تعالیٰ سے باتین کرتا ہے، اور جب آنکھین بند کر لیتا ہے[4] تو اس کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اس وقت تک سر نہ اٹھائے، جب تک صورِ اسرافیل کی آواز اس کے کانون تک نہ پہونچ جائے[5]

عارف وہ ہے جو اپنے دل سے ساری باتین نکال کر یگانہ ہو جائے، عارف کا کمال یہ ہے کہ دوست کی راہ مین اپنے کو جلا کر خاک سیاہ کر دے[6]

عارف اسی قدر معرفت کی باتین کر سکتا ہے، جس قدر اس کو عبور ہے، کوے یار مین دوڑتا ہو اور معرفت کو اس وقت تک نہین پہنچتا ہو جب تک معارف کو یاد نہ کرے[7]

عارف وہ ہے کہ دم حاصل کرے، اور جب یہ دم حاصل ہو جائے تو پھر زمین اور آسمان کے بیچ مین اس کو نہ پائے، عارف کا دم ذکرِ خدا ہے اور اسی دم پر اپنے کو وہ فدا کر دے[8]

عارف کی فضیلت اس مین ہے کہ وہ خاموش رہے، اور اندوہ مین ہو،

عارف دنیا کا دشمن اور خدا کا دوست ہوتا ہے اس کو دنیا کے شور اور ہنگامے کی کوئی خبر نہین رہتی ہے[9]

عارف گریہ کرتا ہے لیکن جب اس کو قربت نصیب ہوتی ہے، تو وہ گریہ بند کر دیتا ہے،

---

[1] دلیل العارفین ص ۴۱ [2] ،، ص ۴۱ [3] ص ۴۱ [4] ،، ص ۴۲ [5] ایضاً ص ۴۲ [6] ،، صفحہ ۴۳ [7] ،، ص ۴۳ [8] ،، صفحہ ۴۳ [9] ،، ص ۴۳ [10] ،، ص ۴۴



دنیا مین تین چیزین عزیز ترین ہین (۱) عالم کا وہ سخن جو اپنے علم سے بیان کرے (۲)، وہ شخص جس کو طمع نہ ہو اور (۳) وہ عارف جو ہمیشہ دوست کی ثنا و صفت بیان کرتا رہے (ص ۴۴)

عارف جب وحدانیت اور ربوبیت کے جلال کو دیکھتا ہے تو وہ نابینا ہو جاتا ہے تا کہ غیر پر اس کی نظر نہ پڑے[1]

عارف کا ایثار بے نیازی ہے[2]

عارف کی خصلت اخلاص ہے[3]

عارف محبت مین کامل ہوتا ہے، اور جب وہ اپنے دوست سے گفتگو کرتا ہے، تو وہ ہوتا ہے یا اس کا دوست[4]

عارف صادق وہ ہے کہ اس کی ملک مین کچھ نہ ہو، اور نہ وہ کسی کی ملک ہو[5]

عارف کا توکل یہ ہے کہ وہ خداے تعالیٰ کے سوا کسی سے التفات نہ رکھے، حقیقی توکل تو یہ ہے کہ عارف کو خلق سے تکلیف اور رنج پہنچے، تو وہ نہ ان کی شکایت کرے، اور نہ حکایت[6]

عارف وہ ہے جو صبح کو اٹھے، تو رات کو یاد نہ کرے[7]

عارف کی محبت یہ ہے کہ ذکرِ حق کے سوا کسی چیز سے لگاؤ نہ رکھے[8]

عارف کی صفت آفتاب جیسی ہے، تمام دنیا اس سے منور ہے، دنیا کی کوئی چیز اس کی روشنی سے محروم نہین ہے،

عارف کے لئے تین ارکان ضروری ہین، ہیبت، تعظیم، حیا، اپنے گناہون سے شرمندہ ہونا ہیبت ہے، اطاعت گذاری تعظیم ہے، اور خدا کے سوا کسی پر نظر نہ ڈالنا حیا ہے، (سیر الاقطاب ص ۱۳۹)

خواجہ صاحب کی طرف ایک دیوان بھی منسوب ہے، مگر اہلِ نظر کی راے مین یہ جعلی ہے، اس لئے ہم اس پر کسی قسم کی بحث کرنی نہین چاہتے،

دلیل العارفین کے علاوہ خواجہ صاحب کے ملفوظات بعض تذکرون مین بھی محفوظ ہین، ان ملفوظات مین ایک جگہ ارشاد فرمایا ہے کہ راہ سلوک مین چودہ مقامات ہین (۱) توبہ (۲) عبادت (۳) خدمت

---

[1] دلیل العارفین صفحہ ۴۸ [2] ،، صفحہ ۵۰ [3] ،، صفحہ ۵۰ [4] صفحہ ۵۰ [5] ،، صفحہ ۵۱ [6] ،، صفحہ ۵۱ [7] ،، صفحہ ۵۳ [8] ،، صفحہ ۵۴ [9] ،، صفحہ ۵۵

(۴) رضا (۵) قناعت (۶) مجاہدہ (یا جہد) (۷) صدق (۸) تفکر (۹) استرشاد (۱۰) اصلاح (۱۱) اخلاص (۱۲) معرفت (۱۳) شکر (۱۴) محبت،

ان میں سے ہر ایک مقام ایک پیغمبر کے ساتھ منسوب ہے، یعنی توبہ حضرت آدمؑ، عبادت حضرت ادریسؑ، زہد حضرت عیسیٰؑ، رضا حضرت ایوبؑ، قناعت حضرت یعقوبؑ، مجاہد، حضرت یونسؑ، صدق حضرت یوسفؑ، تفکر حضرت شعیبؑ، استرشاد حضرت شیثؑ، اصلاح حضرت داؤدؑ، اخلاص حضرت نوحؑ، معرفت حضرت خضرؑ، شکر حضرت ابراہیمؑ اور محبت افضل الانبیا، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے،[1]

سلوک کے مراتب میں اہل طریقت کے لئے مندرجۂ ذیل دس شرائط ضروری قرار دی ہیں:-

(۱) طلب حق (۲) طلب مرشد کامل (۳) ادب (۴) رضا (۵) محبت و ترک فضول (۶) تقویٰ (۷) استقامت شریعت (۸) کم کھانا اور کم سونا (۹) لوگوں سے کنارہ کش ہونا (۱۰) صوم وصلوٰۃ کا پابند ہونا،

اسی طرح اہل حقیقت کے لئے بھی دس چیزیں لازمی ہیں،

(۱) معرفت میں کامل ہونا (۲) کسی کو رنج نہ پہنچانا، اور نہ کسی کی برائی کرنا (۳) لوگوں سے ایسی گفتگو کرنا جس سے ان کی دنیا اور آخرت بنے (۴) متواضع ہونا (۵) عزلت نشین ہونا (۶) ہر شخص کو عزیز اور محبوب رکھنا، اور اپنے کو سب سے حقیر اور کمتر سمجھنا (۷) رضا و تسلیم کو راہ دینا (۸) ہر درد اور تکلیف میں صبر و تحمل کرنا (۹) عجز و نیاز اور سوز و گداز پیدا کرنا (۱۰) قناعت اور توکل پسند ہونا،[1] (باقی)

---

۱؎ سیر الاقطاب ص ۲۰، ۲۱،


تصوف اور اسلام

خالص اسلامی تصوف اور قدمائے صوفیہ کے حالات و تصنیفات کا مفصل بیان،

ضخامت:- ۲۲۲ صفحے، قیمت:- عہ

فیہ ما فیہ

ملفوظات مولانا روم جو ایک نایاب کتاب تھی، مولانا عبد الماجد صاحب دریا آبادی نے مختلف نسخوں سے مقابلہ کر کے اس کو مرتب کیا، اور معارف پریس اعظم گڈھ میں چھپوایا، قیمت عار

منیجر




# معتمد الملک حکیم علوی خان

از

جناب معین الدین رہبر صاحب فاروقی

"مغل عہد کے اطبا میں آج تک جس طبیب کا نام زندہ، اور سب سے زیادہ زبان زد خاص وعام چلا آرہا ہے، وہ حکیم علوی خان کا نام ہے، لیکن اتنا ہی کم، ہم ان کے حالات سے واقف ہیں، جس کی وجہ یہ ہے، کہ مشہور قلمی و مطبوعہ متداول تذکرے اور تاریخیں ان کے ذکر سے خالی ہیں، یہی سبب تھا کہ راقم الحروف کو اپنی تالیف اسلامی طب کی ترتیب و اشاعت کے وقت تک بھی کوئی خاص مواد دستیاب نہ ہوسکا تھا، چونکہ اپنی کتب کے سلسلہ میں ابھی تک میری تلاش و تحقیق کا سلسلہ جاری ہے، اور عرصہ کی جستجو کے بعد، حکیم صاحب سے متعلق جس قدر معلومات تاحال جمع ہوسکے ہیں، وہ پیش ہیں، اور ہم سمجھتے ہیں، کہ یہ بڑی حد تک تشنہ نہیں ہیں،

ہمارا ذاتی ایقان ہے کہ ان جلیل القدر اسلاف کے حالات کے ساتھ ساتھ آج بھی ان سے مستفید ہونے کے لئے ان کے تصانیف کا تذکرہ بھی شرح و بسط سے لکھا جانا ضروری ہے، اسی لئے میں نے عموماً ایسے مواقع پر ہر جگہ اس اصول کی پابندی کی ہے، اور اس مضمون میں بھی اس پر عمل کیا ہے" ۱۲

(رہبر فاروقی)

حکیم صاحب کا اصل نام، مرزا محمد ہاشم، والد کا مرزا ہادی شیرازی، اور دادا کا سید مظفر الدین حسینی علوی تھا، جو حضرت امام محمد بن حنفیہ کی اولاد سے تھے، مظفر الدین دیار تور ان کے رہنے والے تھے، بعد میں شیراز آکر سکونت پذیر ہوگئے، یہاں ان کا افاضل عصر اور نامی اطبا میں شمار ہوتا تھا،

**حکیم صاحب کے والد بزرگوار** ان کے صاحب زادے میرزا ہادی غالباً شیراز ہی مین پیدا ہوئے اور وہان کے مشہور "دار العلم" مین تعلیم و تربیت پانے کے بعد خود بھی علم و فضل مین نام پیدا کیا، خصوصیت سے طبابت، جراحی اور خوشنویسی مین تو استادانہ کمال حاصل تھا، چون کہ نرے قلندر مشرب تھے، اور قلندرانہ زندگی بسر کرتے تھے اس لئے شاعرون اور دوسری محفلون مین اسی ڈھنگ کا لباس پہنے نظر آتے، اور لوگ انھین مرزا ہادی قلندر پکارا کرتے تھے، ان کی شہرت کا بڑا سبب ان کے معالجات تھے، شاگردون کی ایک بڑی تعداد تھی جنھون نے، ان سے فضل و کمال کا اکتساب کرکے ہند و ایران مین کافی عزت و مرتبہ پایا، جن مین سے چند کے نام یہ ہین :-

(۱) حکیم الممالک شیخ محمد حسین شہرت جو آخری دور مغلیہ کے مشاہیر اطباء سے گذرا ہے، بہت سے فنون مین ان کا شاگرد تھا،

(۲) حکیم محمد اسماعیل، جو شیراز ہی کا رہنے والا شخص تھا، فن طب مین ان سے کمال حاصل کیا، اور اکبر آباد مین آکر مقیم ہو گیا، یہان بڑی شہرت حاصل کی، اور آخر مین اپنے مقام سکونت کے لحاظ سے اکبر آبادی پکارا جانے لگا تھا،

(۳) حکیم علی نقی پدر حکیم علی نقی خان جو نواب عظیم اللہ خان سے تعلق رکھتا تھا،

(۴) حکیم مرتضیٰ،

(۵) مولوی نصیر عظیم آبادی،

مرزا ہادی شاعر بھی تھے، اور شہرۂ تخلص تھا، صاحب دیوان گذرے ہین، لکھا ہے کہ حکیم علوی خان جب ہندوستان آئے، تو ان کا دیوان اپنے ساتھ لیتے آئے تھے،

مرزا صاحب نے ۶۳ سال کی عمر مین اس جہان فانی کو چھوڑا، سال وفات ۱۱۰۷ھ ہے، امام زادہ احمد بن حضرت امام موسیٰ کاظم معروف بہ شاہ چراغ کے جوار مین مدفون ہوئے، مرحوم نے قانونچہ پر شرح لکھی ہے، جس سے ان کے پایۂ علمی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے،

انھون نے اپنی یادگار دو لڑکے چھوڑے، جن مین سے ایک کا نام مرزا عبد الحسین تھا، اور دوسرے خود مرزا محمد ہاشم (علوی خان) تھے، اول الذکر بھی ایک طبیب حاذق گذرا ہے،

**علوی خان کے حالات زندگی** حکیم علوی خان نے اپنے آبائی وطن شیراز ہی مین رمضان ۱۰۸۰ھ کو



عرصۂ وجود پر قدم رکھا، جب پڑھنے لکھنے کی عمر ہوئی تو ان کے والد نے خود دلچسپی لی، اور گھر ہی پر تمام متداول علوم کی تکمیل کرائی، اس کے بعد ان کی ایما سے مولانا لطف اللہ شیرازی، مولانا شاہ محمد اور آخوند مسیحائے فسانی کے سامنے زانوے ادب تہ کرکے اپنے منازل علمی کو درجۂ تبحر و کمال پر پہنچایا، جسے ان کی فطری اور خداداد صلاحیت نے چار چاند لگا دیئے، نتیجہ یہ ہوا کہ علوی خان کا انکے اقران و امثال مین جواب نہ تھا، ہندوستان کی کشش اور قدردانی نے ان کو بھی اپنی طرف کھینچا، اور حکیم صاحب شیراز سے نکل کر ۱۱۱۱ھ مین براہ بندر سورت گجرات آئے، اور شہنشاہ عالمگیر کی ملازمت مین قلعہ ستارہ پہنچے، جو اس وقت اس کے محاصرہ مین مصروف تھا[۱]، بادشاہ نے انھین خوش آمدید کہا، اور منصب و خلعت شاہی سے نوازا ابھی چند ماہ بھی نہ گذرے تھے کہ شہزادہ محمد اعظم نے شہنشاہ سے عرض کرکے حکیم صاحب کو اپنی سرکار مین ملازم رکھ لیا،

حکیم محمد شفیع شوستری نے علوی خان کی آبائی شرافت، اور ان کے علم و فضل سے متاثر ہو کر اپنی لڑکی ان سے منسوب کر دی،

اعظم کے مارے جانے کے بعد محمد معظم (بہادر شاہ اول) نے بھی ان کی بڑی قدر کی، اور مخالف بھائی سے تعلق رکھنے کے باوجود، ان کو کسی قسم کا نقصان پہنچائے، بغیر اپنے دربار مین نہ صرف جگہ دی، بلکہ مناصب بلند پر سرفراز کیا، اور "علوی خان" کا خطاب بخشا، جو اتنا مبارک ثابت ہوا کہ حکیم صاحب کو اپنے زمانہ ہی مین نہین، بلکہ ہمیشہ کے لئے اسی کی بدولت زندگی جاوید نصیب ہو گئی، اور جب فرخ سیر تخت دہلی پر سریر آرائے حکومت ہوا تو اس نے بھی ان کی توقیر مین کوئی کمی نہ کی، اور اس عہد مین بھی وہ کامیاب زندگی بسر کرتے رہے،

حکیم صاحب کے کمال عروج کا زمانہ محمد شاہ بادشاہ کا دور ہے، جس نے ہمیشہ ان کو اپنا انیس و جلیس خاص بنائے رکھا، اور بے حد قدردانی کی، چنانچہ شش ہزاری منصب اور تین ہزار روپے نقد ماہوار مقرر کئے، خطاب "معتمد الملوک" مرحمت کیا، اور متعدد مرتبہ زر و نقرہ مین تلوادیا، اسی عہد مین علوی خان نے بڑے بڑے معرکے کے علاج کئے، اور کثرت سے نادر اور پیچیدہ امراض مین ان کے دست شفا سے لوگون نے دم عیسوی" اور ید موسوی کا سا اثر دیکھا، جس کی وجہ سے ان کی شہرت حدود ہند سے گزر کر مختلف امصار و بلاد تک پہونچ گئی، اور جب تک زندہ رہے، یکہ و تنہا مشرقی دنیا مین عزت و عظمت کے آفتاب بنے رہے،

**نادر شاہ کی رفاقت** جب قہرمان ایران نادر شاہ ہندوستان آیا، اور دلی کی لوٹ اور غارت گری کے بعد

[۱] یہ قلعہ اسی سال فتح ہوا، جس کا مادۂ تاریخی "شق ستارہ آمد" ہے،
۱۱۱۱ھ

لوٹنے لگا تو حکیم صاحب کو اپنے ساتھ لیتا گیا، تقریباً تین سال تک وہ اس کے پاس رہے، اور پھر اجازت لے کر حج کے واسطے مکہ مکرمہ گئے، اور اس سے فارغ ہو کر ہندوستان لوٹ آئے، اور دربار محمد شاہی میں حسب سابق منسلک ہو گئے،

علوی خان جب نادر کے ہمراہ روانہ ہوئے تو ان کے ساتھ عبد الکریم (کشمیری) نامی ایک شخص بھی تھا، جس نے اس سفر کے واقعات قلم بند کئے ہیں، جو "بیان واقع" سے موسوم ہیں، اس کو مولف نے نادر نامہ کی صورت میں بھی علحدہ مرتب کیا ہے، اسی کا خلاصہ یا ترجمہ اردو میں "وقائع نادری" کے نام سے معصوم علی مخبر نے ۱۹۰۵ء میں کیا تھا، جو مطبع منشی جے نارائن در مالکھنؤ سے شائع ہو چکا ہے، عبد الکریم اپنی اصل کتاب میں بضمن "رفاقت نادری" تحت "وقائع کہ در ایام قزوین بظہور پیوست" تحریر کرتا ہے کہ

اسی زمانہ میں علوی خان کو بادشاہ نے واپسی کی اجازت دی، نادر شاہ (ہندوستان پر حملہ کرنے سے پیشتر ہی سے) امراض سوداوی اور استسقاء میں گرفتار تھا، چونکہ چھوٹے بڑے سبھوں کی زبانی ان کی حذاقت کے واقعات سنے تھے، اس لئے ان کو ہندوستان سے اس شرط کے ساتھ لیتا گیا، کہ "صحت کے بعد بیت اللہ بھیج دے گا، اسی بنا پر حکیم صاحب نے رضامندی ظاہر کر کے رفاقت اختیار کی تھی،

اپنے قیام کے دوران میں حکیم صاحب نادر شاہ کو مہربان اور اپنا نہایت قدرشناس پا کر جب تک رہے حق گوئی میں برابر بے باکی سے کام لیتے رہے، ان کی یہ باتیں اُس پر دوا سے زیادہ تلخ گذرتیں، مگر نادر شاہ پر ان کا کچھ ایسا اثر تھا کہ وہ ان کو سنتا' اور ان پر عمل بھی کیا کرتا تھا، ان کے علاج سے اس کی طبیعت اس قدر سنبھل گئی تھی، کہ کسی کو قتل کرنا تو کجا، چوب زنی تک کا حکم نہ دیتا تھا، اس اصلاح مزاج کا اندازہ اس موقع پر خوب لگایا جا سکتا تھا جب کہ نواحی مازندران میں نادر کا ہاتھ تیر و تفنگ سے مجروح ہو گیا تھا اور یہ وقت اس کی تکلیف و جوشِ غضب کا تھا، لیکن کسی کو کوئی ایذا نہ پہنچائی؛

الغرض جب تک علوی خان نادر کے پاس رہے، انھوں نے بادشاہ کا بڑی خوبی اور کمال سے علاج کیا، اور مناسب ادویہ کا استعمال جاری رکھا، اس کی بد پرہیزی کے باوجود بڑی حد تک امراض کا ازالہ ہو گیا تھا، اس واسطے اس وقت یہاں حکیم صاحب نے نادر سے واپسی کی اجازت طلب کی، علوی خان کی یہ استدعا رشاہ پر موت سے زیادہ گران گذری، ابتداءً نہایت ہی شفقت آمیز گفتگو، اور حسن سلوک احسانات سے باز رکھنے کی کوشش کی، اور اپنے وعدے اور ان کے مدعا سے چشم پوشی شروع کر دی



حکیم صاحب نادر کے اس طرز کو سمجھ گئے، چونکہ ان کے مزاج میں بھی حدت اور غصہ بہت تھا، ایک دن بے اختیار اس سے کہہ دیا کہ طبیب کو اس کی ناراضی کی صورت میں اپنے پاس بہ جبر روک رکھنا ایک ضرور ساں امر ہے، نادر جیسے قہار نے جو ان کا بے حد احترام اور عزت کرتا تھا، جب یہ باتیں سنیں تو اپنی شفقت کا پاس کر کے سہم گیا، حکیم صاحب نے صاف صاف سنا دیا تھا، جو اس پر اثر کر گیا، ان باتوں کی حقیقت پر غور کرنے کے بعد اس نے بالآخر مجبور ہو کر اجازتِ روانگی دے دی، اور سفر کا انتظام کر دیا،

جب تک علوی خان نادر کے پاس رہے سب لوگوں سے بڑھ کر وہ ان کی قدر کرتا رہا، اور ہر وقت ان کی رفاقت کو سب سے زیادہ ضروری سمجھتا تھا، ان کے لئے علحدہ خیمہ ایستادہ ہوتا اور سواری کے لئے اپنی سواری خاص کا تخت رواں بھی دے رکھا تھا، نیز جو خود رکھتا انھیں بھیجتا جو خود پہنتا انھیں پہناتا تھا، اور دوسرے تمام امور میں بھی یہی منزلت ملحوظ رکھی تھی،

اس مقام پر مؤلف کہتا ہے:-

"بندۂ عاصی محرر این اوراق بے سیاق کہ محض بارادۂ حج بیت اللہ الحرام و زیارت مقابر اولیاے عظام، ملازمت سلطان اختیار کردہ بود، بوساطتِ حکیم باشی ترک ملازمت وحصول رخصت نمودہ، برفاقتِ ایشان متوجہ حجاز گردید، و نادر شاہ از دار السلطنت قزوین حرکت فرمودہ"

محمد خان بنگش کا علاج | آگے چل کر بیان کرتا ہے کہ ہم حج سے فارغ ہو کر بندر چنیا پٹن (مدراس) آئے اسی سفر میں غالباً فرخ آباد بھی پہونچے، یہاں کا حاکم محمد خان بنگش بیمار تھا، حکیم صاحب کو بلا گیا، یہ پہونچے، اس کا معائنہ کیا، نبض دیکھی، اور نسخہ بھی شاید لکھ دیا، جب علوی خان اسے دیکھ کر لوٹے، تو انھوں نے مجھ (عبد الکریم) سے کہا کہ یہاں سے جلد کوچ کی تیاری کرو، کیونکہ نواب چھ سات روز کا مہمان ہے، یہ سن کر میں نے پوچھا کہ "تعینِ وقتِ مرگ از روے علم طبابت است یا کشف و کرامات"، جواب میں کہا، "بکثرتِ شغلِ معالجہ و فور تجربہ"

جب علوی خان نادر کے پاس سے چلے آئے، تو دوسرے اطبا رشاہ کے غضب و غصہ کے باعث اس کے مزاج کی اصلاح نہ کر سکے، اور دوبارہ اس کی سفاکی اور غیظ و غضب عود کر آیا، پھر یہ حال ہو گیا تھا کہ ہر روز معمولی معمولی قصور پر لوگوں کی آنکھیں نکال ڈالنے کا حکم دیتا تھا،

غرض تقریبًا ۵۰ سال ہندوستان مین زندگی گذارنے کے بعد بیاسی سال کی عمر مین ۲۵ رجب ۱۱۶۲ھ کو دار الخلافہ شاہ جہان آباد مین مرض استسقا سے داعی اجل کو لبیک کہا، اور وصیت کے مطابق درگاہ حضرت نظام الدین اولیاء (قدس سرہ) مین مدفون ہوئے،

آخر عمر تک عینک کی احتیاج نہ ہوئی، دران حالیکہ شب و روز بے شمار مخلوق خدا کے معالجہ و نسخہ نویسی کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف مین بھی مشغول رہے، حکیم صاحب کو کوئی اولاد نہ ہوئی، وفات پر بادشاہ نے حکیم صاحب کے متروکہ کو ضبط کرنے کا حکم دیا تھا، لیکن صفدر جنگ وزیر کی سفارش پر فرمان ہوا کہ ان کے اموال و املاک، نقود و جواہر آلات ان کے حقیقی خواہر زادہ حکیم علی نقی خان کو دے دیئے جائین،

علوی خان نے تصانیف کے علاوہ ایک بہترین کتب خانہ بھی یادگار چھوڑا تھا، جسے اپنی وفات سے ایک سال قبل ہی وقف کر کے علی نقی خان کو اس کا متولی بنا دیا تھا، اور اجازت دی تھی کہ جو شخص مطالعہ کیلئے کتاب مانگے، اُسے دی جائے، اور پھر واپس لے لی جایا کرے،

اکثر شعراء نے انتقال کی تاریخیں کہی ہین، جن مین سے حسب ذیل دو مادے بہت مشہور ہین:-

(۱) بر فلک رفت مسیحاے جدید،

(۲) طبابت از جہان رفت،

لیکن موخر الذکر تاریخ سے (۱۱۶۱ھ) برآمد ہوتے ہین، چونکہ اس کے پورے اشعار اس وقت پیش نظر نہین ہین، ممکن ہے تدخلہ ہو،

جب تک حکیم صاحب حیات رہے، اکثر سرآمد شعراء زمانہ نے ان کی مدح مین بہت سے قصائد و اشعار لکھے، جن مین سے قطعہ ذیل تو اب تک لوگون کی زبانون پر ہے، جو محتشم علی خان محتشم کا کہا ہوا ہے ؎

اے دوست تو دستگیر ہر شاہ و گدا      از فیض تو درمان طلبان کام روا

خلقے گوید کہ می کند کار مسیح"      من می گویم کہ می کند" کار خدا"[۱]

---

[۱] "کار خدا" دو معنی استعمال کیا گیا ہے، ایک تو یہ کہ مسیح کا کام نہین بلکہ خدائی کرتا ہے، اور دوسرے یہ کہ "خدا کا کام" یعنی مخلوق کی خدمت کرتا ہے،



صاحب تذکرہ ریاض الشعراء والہ داغستانی سے حکیم صاحب کے دوستانہ تعلقات تھے، اور بوقت ترتیب تذکرہ وہ بقید حیات تھے، والہ نے ان کی نسبت اپنے ان تاثرات کا اظہار کیا ہے:-

"آن کہ ارسطو و فلاطون، بلکہ علماے دہور و قرون اگر در زمانش بودندے مفاخر و مباہات باستفادۂ مجلس عالیش نمودندے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ توصیف علو شانش درخور بیان نیست با راقم حروف بسیار مربوط، و ابواب دوستی مابین ہمیشہ مفتوح است"

حکیم صاحب کو شعر و سخن سے دلچسپی تھی، بطور تفنن طبع کبھی کبھی شعر بھی کہا کرتے تھے، عبدالکریم اور والہ نے کوئی تخلص بیان نہین کیا ہے، دونون نے نمونہ کلام مین ایک ہی غزل لکھی ہے، جس کو ہم بھی یہان نقل کئے دیتے ہین:-

زصاف شعلۂ حل کردہ پر سازید جامم را      بجوش آرد مگر در مغز من سودای خامم را

بجاے سبزہ و گل شعلہ و دود از زمین روید      فشانم گر بخاک از درد مستی درد جامم را

اسیر داغ حرمان را فریب دانہ کے سازد      زنار شعلۂ جوالہ باید ساخت دامم را

ہوا گردد سموم از شعلہ ہاے سوز پنہانم      گداز د در بغل غافل اگر یک دم بیایم را

**ایک قصہ** ایک تاریخ مین ہماری نظر سے ایک ایسا واقعہ گذرا ہے، جو "افسانہ الیست و افسون" سمجھا جاسکتا ہے، مگر ایسے قصون کے متعلق ایسی بھی شہادتین اور مشاہدات گذرے ہین، کہ ان سے انکار نہ کیا جاسکا، ہم زیر بحث قصہ کی نسبت کچھ کہے بغیر اُسے یہان درج کئے دیتے ہین،

مولف تاریخ گوہر شہوار فیض حق بیان کرتا ہے، کہ محمد شاہ بادشاہ اپنے جلوس کے تیسرے سال ۲۰ رجب کو "ثمن برج" کی سیر مین مشغول تھا، کہ سامنے ایک فقیر پر نظر پڑی، حکم دیا کہ اس سے پوچھو کیا چاہتا ہے، فقیر نے عرض کی کہ وہ صرف بادشاہ کے دیدار کے لئے آیا ہے، اس کے سوا اس کی کوئی حاجت نہین، جب یہ اطلاع گوش گذار ہوئی، تو کہا کہ اس کو حاضر کیا جائے، جب فقیر باریاب ہوا تو بادشاہ نے نام پوچھا، کہا نور شاہ ہے، اس کے ساتھ بغل مین ایک چھوٹا شیشہ تھا نکال کر محمد شاہ کے سامنے رکھا، اور کہنے لگا اگر سلطان چاہے تو اس عرق سے، روزانہ اتنی مقدار مین سونا تیار کر کے سو سال تک خرچ کرسکتا ہے، بادشاہ نے کہا کہ ہم اتنا تو ہر روز خیرات کر دیا کرتے ہین، اگر تم اس سے پہاڑ سونے کا بنا سکتے ہو تو

البتہ یہ مقدار شاہی اخراجات کے لئے کفایت کر سکے گی،

فقیر نے عاجزی ظاہر کی اور اس کے بعد خواہش کی کہ پاندان خاصہ طلب کیا جائے، حسب الحکم پاندان مع زمرد لوازم لایا گیا، فقیر نے کہا کہ تین بیڑے بناؤ، باری دارون نے تیار کرکے صدف زمرد مین رکھ کر گذرانے، درویش نے اپنے شیشے سے تین قطرے تینون بیڑون پر ٹپکائے، پہلا بیڑہ تو خود کھایا، دوسرا حکیم علوی خان کو دیا، اور تیسرا بادشاہ کی خدمت مین پیش کیا، محمد شاہ نے اسے کھا لیا، اس کے بعد فقیر چلا گیا، اور پھر اس کا پتہ نہ لگا،

بیان کیا جاتا ہے کہ ان ہی بیڑون کے اثر سے محمد شاہ سخت عیش پرست ہو گیا، اور آخر مین علوی خان بھگندر مین مبتلا ہو گیا[1]

**علاج کے افسانے** حکیم علوی خان صاحب کے معالجات مین سب سے زیادہ مشہور قصہ نادر شاہ کے درد سر کا علاج کا ہے، بعض اس کو بزمانہ قیام دہلی، اور بعض مراجعت ایران کے بعد کا واقعہ بیان کرتے ہین، اسکی تفصیلات مین بھی اختلاف ہے، ان مین جو زیادہ قرین فہم ہے، ہم اس کو درج ذیل کرتے ہین، جسے ہم نے اپنی کتاب اسلامی طب میں بھی نقل کیا ہے،

(۱) کہتے ہین کہ ایک دن نادر نے علوی خان کو بلایا اور کہا کہ مین مریض ہون، علاج کرو، مگر شرط یہ ہے کہ مین نہ کوئی دوا پیون گا، اور نہ بیرونی طور پر ....... لگاؤن گا، حتی کہ نبض و قارورہ تک نہ دکھاؤن گا، ان سب باتون کے باوجود مجھے صحت ہو جانی چاہیے، حکیم صاحب نے تعمیل حکم مین کہہ تو دیا انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا، لیکن اس حکم نادری سے کچھ مضطرب سے ہو گئے، چونکہ خداداد عقل و ذہن پایا تھا، دربار سے اٹھتے وقت بادشاہ کے چہرے پر غائر نظر ڈالی، تو دیکھا کہ آنکھین سرخ ہین، چہرہ پر یبوست و بدمزاجی کی کیفیت پیدا ہے، اس روز گرمی بھی شدت کی تھی، فوراً تاڑ لیا کہ بادشاہ دردسر مین مبتلا ہے، اٹھنے سے قبل اس سے عرض کی اجازت ہو تو فدوی گھر جا کر علاج کی تدبیر کرے، نماز ظہر پڑھ کر بارگاہ عالی مین حاضر ہوگا اور خدمت سلطانی بجا لائے گا، حکیم صاحب نے دربار سے آکر نماز ادا کی، اور خدمتگار کو حکم دیا، کہ وہ اس عرصہ مین سدا گلاب کا پنکھا تیار کر رکھے، اور اس پر عطر حسن بھی چھڑک دے، نماز سے فارغ ہو کر علوی خان اس کو لیکر نادر کے پاس گئے، اور عرض کی کہ علاج کی تدبیر کر رہا ہون

[1] تاریخ گوہر شاہوار (قلمی) صفحہ ۴۴،



مجھے پنکھا نہایت اچھا جھلنا آتا ہے، اس لئے علاج شروع کرنے تک ناچیز کو اجازت دی جائے کہ پنکھا جھلنے کا شرف حاصل کرے، اجازت ملنے پر حکیم صاحب پنکھا جھلنے لگے جس کے پھولون کی خوشبو ہوا کے ساتھ بادشاہ کے دماغ مین پہونچنے لگی، اور عطر کے قطرے غیر محسوس طریقہ پر اس کے چہرہ اور پیشانی پر پڑنے لگے، اس کا اثر یہ ہوا کہ روح اور قلب کو فرحت پہنچی، اور شاہ پر غنودگی کے آثار طاری ہو گئے یہان تک کہ وہ نہایت غفلت کے ساتھ سو گیا، ادھر علوی خان نادر کو سوتا پا کر اپنے خیمہ مین واپس چلے آئے، بادشاہ جب بیدار ہوا تو درد کا مطلق اثر نہ تھا، حکیم صاحب کو بلا کر ان کی دانائی کی بے حد تعریف کی،

(۲) مؤلف وقائع نادری لکھتا ہے، کہ نادر کی بیگم کو ایک خاص مرض یہ لاحق ہو گیا تھا، کہ ایک طرف کا پستان متورم اور بہت سخت ہو گیا تھا اور بیگم بضد تھیں کہ کسی کو نہ دکھاؤن گی، علوی خان کو یہ روداد سنائی گئی، انھون نے علاج پر آمادگی ظاہر کی، اور کہا کہ فلان کمرہ مین باریک میدہ بچھا دیا جائے، اس کی تعمیل ہوئی تو بیگم صاحبہ سے خواہش کی کہ وہ ایک مرتبہ اس فرش پر سے گذر جائین جب وہ پیر رکھتی ہوئی گذر گئین، تو حکیم صاحب نے نشانات قدم کا بغور معائنہ کیا، اور پیر کی رگ پہچان کر اسی نقش قدم پر لوگون کی نظرین بچا کر ایک نشتر چھپا دیا، اور دوبارہ عرض کی کہ ایک بار اور بیگم صاحبہ اس پر سے تشریف لے جائین لیکن شرط یہ ہے کہ سابقہ نشانات پر ہی قدم جما کر چلین، بیگم نے ایسا ہی کیا، جہان نشتر چھپا تھا، وہان پیر رکھتے ہی وہ چبھ گیا، بیگم چیخ مار کر فوراً گر پڑین، لونڈیان دوڑی آئین، اور نشتر کو نکال لیا،

اس تدبیر سے غالباً حکیم صاحب کا مقصد فصد کھولنا تھا، جو پورا ہو گیا، ورنہ بیگم یون تو ہرگز فصد کے لئے راضی نہ ہوتین اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت جلد ازالۂ مرض ہو گیا،

**تصنیفات و تالیفات** علوی خان کی علمی یادگارون مین سے اب تک ہمین حسب ذیل کتابون کے نام ملے ہین جن مین سے ہر ایک پر اجمالاً روشنی ڈالنے کی کوشش کرین گے، تاکہ اہل فن ان سے استفادہ کی طرف توجہ کرین،

(۱) تحفۂ محمد شاہی یہ کتاب ہماری نظر سے نہین گذری لیکن اس کی نسبت یہ تاریخی واقعہ ملتا ہے کہ جب انھون نے اس کو مکمل کرکے محمد شاہ کی خدمت مین پیش کیا، تو بادشاہ نے مالا سے مروارید سر پیچ

مع شمشیر ولایتی، خلعت اکیس پارچہ، اور ساٹھ ہزار روپے نقد مرحمت کئے،

(۲) کتاب النبات۔ یہ کتاب عربی زبان میں ہے جس کو سات مباحث پر تقسیم کیا گیا ہے، اس میں اُن نباتات پر جو بطور ادویہ استعمال ہوتی ہیں، ردیف وار، عالمانہ اور نہایت مفید بحث کی ہے، جو نسخہ ہمارے پیش نظر ہے، وہ قلمی اور نہایت آب رسیدہ ہوگیا ہے، اس کے پڑھنے میں کافی دقت ہوتی ہے، اس وجہ کہ ہم اس پر کوئی تفصیلی یادداشت فی الحال مرتب نہ کرسکے، محنت وجانفشانی کے بعد اس سے کچھ نہ کچھ استفادہ ہوسکتا ہے، جو حیدرآباد کے کتب خانۂ آصفیہ میں موجود ہے،

(۳) خلاصۃ التجارب یہ کتاب فارسی زبان میں ہے، جو مطبع محمدی واحدی سے ۱۲۸۲ھ میں چھپ بھی چکی ہے، نہیں معلوم ناشرین نے سرورق پر اسے حکیم علوی کی تالیف کیسے لکھ دیا، اس غلطی کی وجہ سے بعض اصحاب اس کو اب تک ان ہی کی تالیف سمجھتے ہیں، واقعہ یہ ہے کہ یہ کتاب حکیم صاحب کی مؤلفہ نہیں ہے، اس کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے، کہ اس کو ۹۰۷ھ میں بہاء الدولہ نامی کسی ایرانی طبیب نے لکھا ہے، جس کے تقریباً ہزار صفحات ہیں، اور ایک بے نظیر ونہایت قابلِ قدر کتاب معلوم ہوتی ہے، اس کا ایک قلمی نسخہ بھی ہم نے کتب خانۂ آصفیہ میں دیکھا ہے، جو حکیم عبد العلی تلمیذ حکیم ارشد کے کتاب خانہ کا ہے،

غالباً اسی کتاب کو نولکشور پریس کانپور نے بھی مجربات حکیم علوی خان موسوم بہ خلاصۃ التجارب کے نام سے ۱۲۹۲ھ میں شائع کیا ہے، جس کے (۶۴۴) صفحات ہیں،

(۴) مطب علوی خان کے نام سے بھی علٰحدہ ایک مختصر رسالہ نولکشور نے ۱۸۷۶ء میں چھاپا ہے، اس میں کوئی تمہید وغیرہ نہیں ہے، معلوم نہیں کس نے اور کہاں سے حکیم صاحب کے مجربہ نسخے حاصل کئے، غرض کہ ایک مختصر سی کتاب ہے جو (۹۱) صفحات پر مشتمل ہے،

(۵) جامع الجوامع یہ حکیم صاحب کی سب سے ضخیم اور مشہور ترین کتاب ہے، اس کا نام کسی نے "جمع الجوامع" اور کسی نے "مجمع الجوامع" بھی لکھا ہے،

اسی کو سید محمد حسین بن حکیم محمد ہادی العقیلی العلوی خراسانی ثم شیرازی نے کچھ تبدیلی کے ساتھ یا نئی ترتیب سے ۱۱۸۵ھ میں مرتب کیا ہے، جو ۱۲۴۲ھ میں ٹائپ میں چھپی ہے،[1] جس کی دو جلدیں ہیں، پہلی کے (۳۲)

---

[1] معارف:- پہلی جلد ۱۲۵۵ھ میں اور دوسری ۱۲۵۶ھ میں چھپی ہے، دونوں جلدیں ہمارے کتب خانہ میں موجود ہیں، پہلی کے صفحات کی تعداد (۸۰۰) اور دوسرے کے (۳۵۰) ہے،



اور دوسری کے (۴۳۲) صفحات ہیں، اس کا نام مجمع الجوامع مشہور بہ قرابادین کبیر لکھا ہے، دیباچہ میں مؤلف نے لکھا ہے کہ اس نے علوی خان کی کتاب "جامع الجوامع" جو منتشر تھی اس کو جمع کرکے مزید اضافے کے ساتھ مرتب کیا ہے،

غالباً یہی کتاب پانچ حصوں میں مطبع محمدی میں بھی ۱۱۸۵ھ میں طبع ہوئی ہے، محمد حسین نے مقدمے میں یہ بھی لکھا ہے کہ علوی خان اس کے والد کے خال ہوتے تھے، ان کے اساتذۂ طب یہ ہیں:-

"بدان کہ سند (خالِ والد ماجد) حکیم محمد ہاشم المخاطب بہ حکیم معتمد الملوک سید علوی خان بوالد ایشان (استاد الاطباء وسید الحکماء) میر محمد ہادی العلوی واز ایشان باستاد الاطباء میرزا مسیح (والا مرزا محمد تقی موسوی) واز مرزا مسیح بوسائط باطباے خوز وطبرستان واز ایشان باطباے حران وحرانیان بہ بقراط حکیم واز ایشان باسقلیبوس واز بحضرت سلیمان بن داؤد پیغمبر ..................می رسد"

اصل جامع الجوامع حکیم علوی خان کا ایک حصہ ہماری نظر سے گذرا ہے، یہ قلمی ہے، جس کے متوسط سائز کے (۱۵۰) صفحات ہیں، جو اپنے اصل کا اٹھارواں جزو ہے، اس میں صرف "گردہ" کے احوال ومعالجات کا بسیط تذکرہ ہے، اور دو مقالوں پر محتوی ہے،

اس کتاب کی اہمیت کے اندازے کے لئے ہم یہ ضروری سمجھتے ہیں، کہ یہاں اس کی فہرست مضامین نقل کردیں،

## (۱) مقالۂ اوّل

دربیان فائدہ گردہ وتشریح آن، ودر ذکر کلیات احوال گردہ وحصاۃ آن وذکر جملہ ادویہ واغذیۂ مفردہ آن وذکر از جملہ ادویہ مرکبہ آن،

مقصد اول:- دربیان فائدہ گردہ وتشریح آن،

مقصد دویم:- در ذکر کلیات احوال گردہ وحصاۃ آن،

(۱) مطلب اول........در ذکر امراض گردہ بقول کلی، (۲) مطلب دوم......در ذکر علاماتے کہ استدلال کردہ می شود از آن ہا بر احوال کلیہ گردہ (۳) مطلب سوم........در علاجات اقسام سوء المزاج گردہ

مقصد سیوم:- در ذکر جملہ ادویہ واغذیہ مفردہ کہ آن ہا را اختصاص کلی ست باحوال گردہ،

(۱) فصل اول ...... در دیگر ادویہ و اغذیہ مفردہ نافعہ از برائے گردہ (۲) فصل دوم ...... در ذکر ادویہ و اغذیہ مسخنہ گردہ (۳) فصل سوم ............ در ذکر ادویہ و اغذیہ مسکنہ حرارت گردہ (۴) فصل چہارم ........ در ذکر ادویہ و اغذیہ مفردہ مرطبۂ گردہ،

مطلب دویم :- در ذکر ادویہ و اغذیہ مفردہ مفتح سدہائے گردہ و منقی گردہ،

(۱) فصل اول ......... در ادویہ و اغذیہ مفردہ مفتح سدہائے گردہ (۲) فصل دوم ...... در ادویہ و اغذیۂ مفردہ منقی گردہ،

مطلب سیوم : در ذکر ادویہ و اغذیہ مفردہ مضر بگردہ و مصلحات آن ہا،

مقصد چہارم :- در ذکر جملہ ادویہ مرکبۂ نافعہ از برائے گردہ و امراض آن،

## (۲) مقالۂ دوم

در ذکر امراض چربی گردہ و اسباب و علامات و معالجات و ادویہ و اغذیہ مفردہ و مرکبۂ آنہا

مقصد اول ...... در بیان ہزال کلیہ،

(۱) مطلب اول ...... در بیان ہزال گردہ و اسباب آن (۲) مطلب دوم ...... در بیان علامات ہزال گردہ (۳) مطلب سوم ...... در بیان معالجات ہزال گردہ (۴) مطلب چہارم ...... در ذکر ادویہ و اغذیہ مفردہ سودمند برائے ہزال گردہ (۵) مطلب پنجم ........ در ذکر جملہ ادویہ مرکبہ سمن گردہ

مقصد دوم ...... در بیان اسباب ضعف کلیہ و علامات و معالجات ادویہ و اغذیہ مفردہ و مرکبہ،

(۱) مطلب اول ...... در بیان اسباب ضعف کلیہ (۲) مطلب دوم .... در ذکر علامات ضعف گردہ (۳) مطلب سوم ...... در ذکر معالجات ضعف گردہ (۴) مطلب چہارم ........... در ذکر جملہ ادویہ ہائے و غذاہائے مفردہ نافع از برائے ضعف گردہ (۵) مطلب پنجم ......... در ذکر جملہ ادویہ مرکبہ نافع برائے ضعف گردہ،

مقصد سوم ...... در ریح و نفخ گردہ،

(۱) مطلب اول ...... در سبب و علامات ریح و نفخ کلیہ (۲) مطلب دوم ...... در ذکر جملہ از دواہائے مفردہ نافع از برائے ریح گردہ،

مقصد چہارم :- در اوجاع،

---

لہ مطلب اول موجود نہیں ہے،



(۱) مطلب اول :- در ذکر اسباب و علامات و معالجات اوجاع گردہ (۲) مطلب دوم :- در ذکر ازدواہائے و غذاہائے مفردہ سودمند از برائے اوجاع گردہ (۳) مطلب سوم :- در ذکر جملہ از جملہ دواہائے مرکب سودمند از برائے اوجاع گردہ

مقصد پنجم :- در اورام گردہ،

(۱) مطلب اول ... ذکر اورام حارۂ گردہ و اسباب و علامات و معالجات آن ہا،

فصل اول .... در ذکر اورام حارۂ گردہ و دبیلہ در آن فصل دوم ... در بیان اسباب اورام حارۂ کلیہ، فصل سوم در بیان علامات اورام حارہ در کلیہ و علامات دبیلہ، فصل چہارم در علاجات اورام حارہ گردہ و دبیلہ،

(۲) مطلب دوم ........ در اورام بلغمی کلیہ و اسباب و علامات و معالجات (۳) مطلب سوم ... در ورم صلب کلیہ و اسباب و علامات معالجات (۴) مطلب چہارم، در ذکر جملہ از دواہائے و غذاہائے مفردہ سودمند برائے ہر قسم اورام گردہ (۵) مطلب پنجم ... در ذکر اوصاف جملہ از دواہائے مرکبہ سودمند برائے ہر قسم اورام گردہ،

فصل اول ... در ذکر اوصاف جملہ ادویہ مرکب سودمند از برائے اورام حارہ و دبیلہ، فصل دوم ... در ذکر اوصاف جملہ ادویۂ مرکبہ سودمند از برائے اورام بلغمی فصل سوم ... در ذکر اوصاف جملہ ادویہ مرکب سودمند از برائے صلب کلیۂ

(۶) مطلب ششم .... در ذکر جملہ ادویہ مرکبہ سودمند از برائے اورام گردہ ذکر اوصاف آن ہا در قرابادین جامع الجوامع ذکر شدہ

مقصد ششم .... در قروح گردہ،

(۱) مطلب اول .... در بیان اسباب قروح گردہ (۲) مطلب دوم در بیان علامات قروح گردہ (۳) مطلب سوم ..... ؟ (۴) مطلب چہارم .... در ذکر جملہ از دوا و غذا مفردہ سودمند برائے قروح گردہ (۵) مطلب پنجم در بیان اوصاف جملہ ادویہ مرکبہ سودمند برائے قروح گردہ (۶) مطلب ششم ........ ؟

مقصد ہفتم :- در چرب گردہ و مجاری آن،

(۱) مطلب اول .... در بیان چرب کلیہ و اسباب و علامات و معالجات (۲) مطلب دوم .... ذکر جملہ ادویۂ اغذیہ مفردہ نافع برائے چرب گردہ (۳) مطلب سوم ... در ذکر جملہ ادویہ و اغذیہ مرکبہ نافع برائے چرب گردہ،

مقصد ہشتم :- در رمل و حصاۃ گردہ،

(۱) مطلب اول .... در بیان اسباب تولد رمل و حصاۃ در کلیہ (۲) مطلب دوم ... در علامات آن (۳) مطلب سوم ... در معالجات آن، (۴) مطلب چہارم ... در ذکر جملہ دوا و غذائے مفردہ سودمند (۵) مطلب پنجم ... در ذکر جملہ دوا و غذائے مولد رمل و حصاۃ (۶) مطلب ششم ... در جملہ دوا و غذائے مرکبہ از برائے رمل کلیہ و حصاۃ (۷) مطلب ہفتم ... در ذکر جملہ مرکبات کلیہ

# اردو ادب کی تاریخ کے لئے ایک نصب العین

از

جناب ڈاکٹر محمد حفیظ سید ایم اے، پی ایچ ڈی، ڈی لٹ - الہ آباد،

قدیم یونانیون نے ہر علم کو فلسفے کی شان دے رکھی تھی، ان کی اس بظاہر عجیب وغریب عادت کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طرف تو انھون نے خود علم فلسفہ کی اس طور سے تدوین کی کہ آج تک ہر خیال کی بنا اور ہر عقیدے کے آغاز کا سُراغ یونان کے فلسفہ تک ملا دیا جاتا ہے، دوسری طرف یہ کہ ہر علم وفن کے اصول مین ایک خاص فلسفے کی تلاش کی جاتی ہے، اور اس کے طرزِ عمل اور اسلوب کو ایک فلسفہ قرار دیا جاتا ہے، خلاصہ یہ کہ انسان کا ہر فکر اور ہر عمل ایک فلسفے کے ماتحت نظر آتا ہے، لیکن اس تمام تفلسف کی جڑ مین ایک چیز کارفرما تھی، اور ہے، انسان کی زبان، انسان حیوانِ ناطق ہے، وہ بولتا ہے اور اپنی بولی کے ذریعہ سے اپنے افکار، خیالات اور عقائد کا اظہار کرتا ہے، وہ کیا بولتا ہے، کیون بولتا ہے اور کیونکر بولتا ہے؟ ان سوالات کے جواب نے علم اللسان اور علم الصوت پیدا کیا، اور اس علم کی کنہ رسی اور موشگافی نے وہ تمام نازک بحثین پیدا کین، جو مختلف علوم کے نام سے موسوم ہین،

مختصر یہ کہ زبان کا وجود انسان کے تمام افکار واعمال کے اظہار کا ضامن اور ذمہ دار ہے، اور یہی وہ سرچشمہ ہے جہان سے علوم انسانی کے وسیع وعریض گنگ وجمن پھوٹ کر نکلتے، اور انسان کی ہستی کو سیراب کرتے ہین، نہ اس سے انکار ہو سکتا ہے، اور نہ انکار مقصود ہے، کہ انسان کی زندگی کے لئے تمام علوم، اپنی کمی وبیشی کے ساتھ مفید ہین، لیکن اس حقیقت کا اعتراف بھی ناگزیر ہے کہ زبان کا علم تمام علوم کا سرچشمہ ہے، ذرا سے غور سے یہ بھی حقیقت آشکارا ہو جاتی ہے کہ زبان کا مطالعہ انسان کی ہستی کی تمام کیفیت اور چگونگی کو واضح کر دینے کے لئے کافی ہے، انسان کے "کیا اور کیونکر" بولنے کے سوال نے جو جوابات پیدا کئے، ان مین سے ایک تو علم اللسان ہے، اور اس کے بعد نظم اور پھر نثر ہے، علم اللسان تو صرف چند اہل دماغ



کا حصہ ہو کر رہ گیا، مگر نظم اور نثر کی نوازش عام ہو گئی، اور ہمیشہ عام رہے گی، نظم اور نثر نے زندگی کی ہر حالت مین انسان کی مدد کی ہے، یہ دونون وحشت، بربریت، تمدن اور تہذیب، ہر حالت مین انسان کی ہمدم رہی ہین، اور ہمیشہ رہین گی، لہذا جہان فلسفہ انسان کے محض افکار بیان کرتا ہے، نظم ونثر اس کے افکار واعمال کی روزانہ کیفیات اور ان کی ترقی اور تنزل کا نقشہ ہمارے سامنے پیش کرتی ہین، اسی لئے ہر متمدن قوم اپنی زبان کی نظم ونثر کی کیفیات اور ان کی ترقی، ان کے نشو ونما اور ان کی ترمیم وتبدیل کا مطالعہ کرتی ہے، اور اسی مطالعہ سے اقوام کے مافی الضمیر سے لے کر ان کی ذہنیات کی باریکیون تک کا حال معلوم ہوتا ہے، اس علم سے جو جو کام نکلتے ہین، اور اس سے جو جو فوائد حاصل کئے جاتے ہین، اس کی تفصیل کی نہ یہان ضرورت ہے نہ گنجایش،

نظم ونثر کی بدلتی ہوئی کیفیات کا معلوم کرنا اور معلوم کرتے رہنا، انسان کی اس عادت کا ایک ظہور ہے، کہ وہ اس کائنات مین اپنی ہستی کو ابدی ہستی بنانے کے لئے اپنے تمام اعمال وافعال کو یاد رکھنا اور اس غرض سے ان کو کسی نہ کسی صورت مین قلمبند کرتا رہتا ہے، یہ قلمبندی چٹانون اور پتھرون کی بھدی تصویرون سے لے کر ریڈیو گراف کے نازک اور خوردبینی نقوش تک کی شکل مین رونما ہوتی ہے، اسی قلمبندی اور اسی تحریر کا نام تاریخ نویسی ہے، انسان اپنی اور سب باتون کی یاد کے ساتھ یہ بھی یاد رکھنا چاہتا ہے، کہ وہ آج سے ہزارون برس پہلے کیونکر بولتا تھا، وہ یہ دیکھ اور سمجھ کر خوش ہوتا ہے، کہ اب فلان وقت مین وہ اپنے مافی الضمیر کو یون اور یون ادا کرتا ہے، اور پھر یہ بھی نتیجہ نکالنا چاہتا ہے، کہ غالباً آیندہ زمانہ مین وہ اس اس طرح اپنے خیالات کو ادا کیا کرے گا، اور اس تمام یادگار پر وہ فخر کرتا ہے، اور بلاشبہہ اسے فخر کرنے کا حق بھی ہے، کیونکہ اپنی زبان اور اس کی تدریجی ترقی، عروج اور ترمیم وتبدیل کا یاد رکھنا اور اس پر نگاہ جمائے رکھنا اس کی حیات وبقاء کا ضامن ہے،

نظم اور نثر کے امتزاج سے ادب پیدا ہوتا ہے، اور ان کی تاریخ اور احوال کے ضبط کا نام تاریخ ادب ہے، جس طرح ہر چیز کا ایک فلسفہ ہے، اسی طرح ہر چیز کی ایک تاریخ بھی ہے، تاریخ ہر چیز کی ہستی، اس کی گذشتہ تدریجی ترقی، پھر اس کی آیندہ بقا وحیات کے امکانات اور اس سے وابستہ امیدون کا پتہ دیتی ہے، اور اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ چیز بیک وقت اہم بھی اور نازک بھی ہے، لہذا کسی زبان کے ادب کی تاریخ نویسی مین احتیاط سے کام لینے کی ضرورت ہوتی ہے،

بظاہر یہ امر عجیب معلوم ہوتا ہے، مگر یہ ایک امر واقعہ ہے کہ دنیا کی اکثر و بیشتر زبانون کے قواعد صرف ونحو اور ان کی ترقی اور نشو و نما کی تاریخ غیر اقوام نے قلمبند کی ہے، اردو زبان بھی اس عمومی خصوصیت سے خالی نہین رہی، چنانچہ اردو کی صرف ونحو اور اس کے ادب کی تاریخ بھی بڑی حد تک غیر ہندی مصنفون اور مولفون کی رہین منت ہے، ان غیر ہندی مصنفون کے بعد خود ہندوستانی اہل قلم کا زمانہ آتا ہے، اور انہی سے ہمین اس وقت سروکار ہے،

اردو کے وطنی یعنی ہندوستانی اہل قلم نے اردو ادب کی جو تاریخین لکھی ہین، ان مین معلوم و مشہور چیز اردو شعراء کے تذکرے ہین، جو صرف شعر و سخن سے تعلق رکھتے ہین، اردو کے کلاسیکی دور کے تذکرہ نویسون کے بعد حال کے تذکرہ نویسون کا زمانہ آتا ہے، ان مین پیش پیش محمد حسین آزاد ہین، جن کی کتاب آب حیات بعد کے تذکرون کے لئے نمونہ بن گئی، خم خانۂ جاوید، شعر الہند اور گل رعنا حامد حسن قادری کی داستان اردو اور احسن مارہروی کی تاریخ نثر اردو اس سلسلہ کی قابل تعریف کتابین ہین، ان کے بعد رام بابو سکسینہ کی انگریزی تالیف "History of urdu literature" اور عسکری کے قابل قدر ترجمہ مع تصحیح و اضافہ یعنی تاریخ ادب اردو کا نمبر ہے، اور انہی پر یہ فہرست قریب قریب ختم ہو جاتی ہے،

یہ سب صحیح، مگر یہ سمجھ مین نہین آتا، کہ ان سب بزرگون نے اردو ادب کو محض شعر ہی مین محدود کیون تصور فرما لیا تھا؟ اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ ان کتابون کے فاضل مصنفون کو صرف شعر ہی سے دلچسپی تھی، دوسرا جواب یہ ہو سکتا ہے اور بعض وقت دیا بھی جاتا ہے، کہ اردو ادب مین شعر کو اکثریت (اور لہذا فوقیت) حاصل ہے، پہلے جواب کو تو ظاہر ہے کہ سوا تسلیم کرنے کے اور کوئی چارہ ہی نہین، مگر دوسرا جواب ہرگز پوری طرح صحیح نہین قرار دیا جا سکتا، اردو کے کلاسیکی دور مین بھی نثر کی کمی نہین رہی ہو جیسا کہ اب حال کی تحقیقات اور تفتیش سے ثابت ہو رہا ہے، بہت اچھا ہوا کہ دکن مین اردو اور پنجاب مین اردو، اور بہار مین اردو کی (خالص ہندوستانی ذہنیت کی) بحث نے ہمین قدیم (یا کلاسیکی کہئے) اردو نثر سے بھی آشنا کر دیا، مگر تماشا یہ ہے کہ اس بحث کے مردان میدان نے بھی زیادہ تر شعر ہی سے سروکار رکھا، اور وہ غالباً اس بنا پر کہ اہل اردو کا عقیدہ تھا، اور اب بھی اس کے حامیون کی تعداد قابل لحاظ شمار تک موجود ہے، کہ "زبان اور محاورہ تو وہی ہے جو شعر مین بندھ سکے" یہ عقیدہ ہی بذات خود ایک عجیب و غریب چیز ہے مگر



اس بحث کا یہ موقع نہین ہے،

پھر بھی غنیمت ہے کہ ارباب فورٹ ولیم، ارباب نثر اردو، نئے ادبی رجحانات اردو کا پہلا ناول نگار وغیرہ قسم کی تالیفون نے نثر کو بھی اس قابل سمجھا کہ اس کی طرف توجہ کی جائے، اس سلسلہ مین رسالہ ہائے اردو، الناظر، نگار، ہمایون وغیرہ کے ان مضامین اور مقالات کا ذکر بھی ضروری ہے، جو ان کے خاص نمبرون مین وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے ہین، مگر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے، کہ ان مقالات مین بھی زیادہ تر شعر و شاعری کا تذکرہ رہا ہے، اور ہوتا ہے، اور نثر و نثار نادرات ہی سے ہین، جب کبھی اردو ادب کی قرار واقعی طور پر ایک تاریخ لکھی جائے گی، تو اس وقت کا مصنف اور اہل رائے ان سب امور پر ضرور حیرت اور تاسف کے ساتھ گفتگو کرے گا، اور اس وقت بھی ہمین اس حیرت اور تاسف کا اظہار کرتے ہوئے ارباب ذوق و رائے کی توجہ کو اس اہم ضرورت کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اردو ادب کی تاریخ صحیح معنی مین ابھی تک نہین لکھی گئی ہے، اور یہ کہ اب وقت آگیا ہے کہ یہ کام صحیح اسلوب پر کیا جائے،

صورت حال یہ ہے کہ اب تک اس اہم موضوع پر جو کچھ بھی لکھا گیا ہے، وہ زیادہ تر شعر و سخن کے دائرے مین محدود ہے، یا یہ کہ ہر مصنف جو اس موضوع پر کچھ لکھتا ہے، وہ کتابون اور ان کے مصنفون کی فہرست پر اکتفا کرتا ہے، اور اگر کبھی رائے زنی بھی کرتا ہے، تو زیادہ تر وہ اس کے شخصی اور ذاتی رجحانات کا پرتو ہوتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ کوئی تصنیف اسی وقت لائق توجہ اور قابل قدر ہوتی ہے، کہ جب اُسے اس کے مجموعی ماحول مین رکھ کر اس تخلیقی ادبیات کے اندازے سے جانچا جائے جس کا پیدا کرنا تاریخ انسانی کا ایک جزئی منصب ہے، لہذا اردو ادب کی تاریخ کی کتاب کو سب سے پہلے مجموعی طور پر اردو ادب سے سروکار ہونا چاہئے، اور اس کا مقصد صرف یہ نہ ہونا چاہئے کہ وہ نامور مصنفون کے کارنامون کو ایک صحیح اور ضابطے کے مطابق بیان کر دے، بلکہ اس کا لحاظ بھی رکھنا چاہئے کہ اس مین اردو بولنے والی قوم کے حالات اور رجحانات کا بھی قرار واقعی اظہار ہو جائے،

ایک مورخ ادب کا کام یہ ہے کہ مختلف ادوار کی ادبی تحریک کا پتہ لگائے، اور تاریخ انسانی کی ساخت مین جو شخصی اور غیر شخصی افکار اور رجحانات کے باہمی تاثرات کار فرما رہتے ہین، ان کی توضیح اور نشان دہی کرے، ایسے مورخ کو محض ان امور اور واقعات سے سروکار نہ ہونا چاہئے، بلکہ ان امور کی کیفیت اور اسباب سے بھی بحث کرنا چاہئے، اور اس توضیح اور تشریح کے سلسلے مین اہل زبان و ادب کے حالات زندگی، ان کے تمدن، اور ثقافت اور اس کے مختلف ادوار کی قوتون کا بھی جائزہ لینا چاہئے، جب تک وہ ایسا نہ کرے گا، اور ان سب

امور کا مطالعہ نہ کرے گا، وہ ان نتائج تک پہونچنے مین کامیاب نہ ہوگا جن کو تاریخ ادب مین مصنفون اور تصنیفون کا ذوق، رجحان قدر وغیرہ کہا جاتا ہے، مثلاً اردو ادب کے مورخ کو اپنے مصنفین کے ذاتی رجحانات اور تاثرات کو بیان کرکے یہ واضح کرنا چاہئے کہ اردو ادب اور ہندوستانی زندگی اور ملکی ماحول کے مابین وہ کیا تعلقات تھے، اور کیا آویزشیں تھین، جن کے سبب سے اردو ادب کے مختلف اور متفرق ادوار مین وہ خاص خاص رنگ پیدا ہوگئے تھے، جن کے حامل اور نمایندے وہ سب مصنف تھے،

یاد رہے کہ ادب یون نہیں پیدا ہوا کرتا، کہ گویا چند اشخاص - مرد و زن - زمان و مکان کی حدود سے باہر ہو کر کسی خلا مین بیٹھے ہوئے کچھ کہہ رہے ہین، ادب الفاظ کے ذریعہ ان امور کو بیان کرتا ہے، جو مصنف کے وقت مین زندگی کے نئے گہرے معنی اور اہمیت رکھتے تھے، ادب کے مزاج مین وہ تخلیقی قوت ہوتی ہے، جو حیاتِ انسانی کی ان تجربون کی طرف راہ نمائی کرتی ہے، جو اس ادب کی پیدائش کے وقت کے روزمرہ تجربات اور حالات سے ماورا ہوتے ہین، یون تاریخ ادب کا ایک ضروری منصب یہ ہے کہ وہ اپنے مصنفون کے بارے مین اس امر کی توضیح کرے، کہ اس نے انسان کی تہذیب اور ثقافت مین اپنے خیال اور رائے کے اظہار سے کیا قابلِ قدر اضافہ کیا ہے، اور اس کی اہمیت کیا ہے، جب ہم تمام مصنفون اور ان کی تصنیفون کی صحیح قدر و قیمت اور اہمیت سے واقف ہو جائین گے، تو ہمین ایک طرف تو اس ادب کے کردگارون کی شخصیتون کا پتہ چل جائے گا، اور دوسری طرف ان کے دور کے اہلِ ملک کی ذہنیت اور روح تک کا بھی صحیح اندازہ ہو جائے گا،

اس سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہوگا، کہ اگر اس طور پر اردو ادب کی تاریخ لکھی جائے تو اس کی ایک شخصی قیمت اور ایک قومی اور ملکی اہمیت ہوگی، اور اس سے ہمین اپنے اہلِ ملک کی ذہنی قابلیت اور کمالات اور ان تمام قوتون کا حال معلوم ہوگا، جو ان مصنفون کے زمانون مین برسرِ کار تھین، یون کہنا چاہئے کہ اگر معمولی ملکی تاریخ ایک قوم کی سوانح عمری ہے تو اس کے ادب کی تاریخ گویا اس کا خود نوشت تذکرۂ حیات ہے،

اس قسم کی تاریخ ادب ہی صحیح معنون مین تاریخ ادب ہوگی، اور اردو زبان و ادب کی ایسی تاریخ ہمارے ملک اور ہماری قوم کو بیرونِ ہند کی اقوام اور اہلِ ادب سے روشناس کرکے ان پر یہ واضح کرے گی کہ اردو کے اہلِ ادب کا دنیا کی تہذیب و ثقافت کی ساخت اور اس کے نشو و نما مین کیا اور کس قدر اہم حصہ ہے،!!



# ولی گجراتی کا کچھ غیر مطبوعہ کلام

از

جناب غلام مصطفےٰ خان صاحب ایم اے ایل ایل بی (علیگ)، لکچرر کنگ ایڈورڈ کالج امراوتی (برار)

اب سے تقریباً بیس برس پہلے استادی حضرت احسن مارہروی مرحوم نے ولی کا دیوان مختلف نسخون کی مدد سے مرتب کیا تھا، اور محترم ڈاکٹر عبد الحق صاحب نے اُسے اختلافِ قرأت کے ضمیمون کے ساتھ شائع بھی کرا دیا تھا، لیکن جون جون زمانہ گذرتا گیا، ان بزرگون کو بھی ولی کے کلام اور حالات کے متعلق مزید تحقیقات کی بنا پر اپنے نظریے بدلنے پڑے، چنانچہ ولی دکنی اب ولی گجراتی (احمد آبادی) مانے جاتے ہین، کیونکہ گجرات بھی دکن مین شامل تھا، اور مثنوی روضۃ الشہدا ان کی نہین بلکہ ولی ویلوری[1] کی سمجھی جاتی ہے؛ ولی گجراتی کی تاریخ وفات جو کتب خانۂ جامع مسجد بمبئی کے ایک نسخہ (دیوان ولی۔ نوشتہ ۱۱۵۲ھ) مین شاید راقم کو سب سے پہلے نظر آئی تھی، اور اب بہتر اہلِ قلم بزرگون کے ہاتھون سے شرف اشاعت حاصل کر چکی ہے؛ اس طرح ہے :-

| | |
|---|---|
| مطلع دیوان عشق سید ارباب دل | والیٔ ملکِ سخن صاحبِ عرفان ولی |
| سال وفاتش خرد از سر الہام گفت | بادشاہِ ولی ساقیٔ کوثر علی ۱۱۱۹ھ[2] |

[1] حکیم شمس اللہ قادری صاحب کی ".... قدیم" صفحہ ۱۰۰ مین اس ولی کا نام سید محمد فیاض ہے، لیکن میرے ایک عزیز شاگرد سمیع الدین حسن صاحب کے یہان ایلچپور (برار) مین روضۃ الشہدا کا جو نسخہ ہے، اس کے آخر مین اس کا نام میر ولی فیاض ہے؛ عبارت یہ ہے :- "کتاب روضۃ الشہدا من تصنیف میر ولی فیاض علیہ الرحمہ در بلدہ ایلچپور بتاریخ بست و پنجم شہر جمادی الاول ۱۲۱۳ھ مطابق ۱۲۱۹ فصلی باتمام رسید" یہ معلوم ہوا ہے کہ محترمی پروفیسر نجیب اشرف صاحب ندوی نے ولی گجراتی کے متعلق تفصیل سے لکھنا شروع کیا ہے [2] عجیب اتفاق ہے کہ مین بعض دیگر ماخذون کی تلاش اور انتظار ہی مین تھا کہ خوش قسمتی سے یہ قطعہ تاریخ ڈاکٹر عبد الحق صاحب اور فاضل پروفیسر حافظ

اسی طرح مثنوی روضۃ الشہداء کے متعلق عرصہ سے یہ فیصلہ ہوچکا ہے، کہ وہ ولی ویلوری کی ہے لیکن اُس کی دُو اہم اور نایاب مثنویاں یعنی روضۃ العقبیٰ اور روضۃ الانوار جن کے متعلق معارف (جنوری ۱۹۴۰ء) مین راقم الحروف تفصیل لکھ چکا ہے، ہنوز اہل نظر سے پوشیدہ ہین، افسوس ہوتا ہے کہ بعد والی کتابون مین بھی ولی ویلوری کی صرف پہلی مثنوی ہی یاد کی جاتی ہے،

بہر حال یہ تو معترضہ جملے تھے، مین یہان دیوان ولی گجراتی کے ایک ایسے نسخہ کا تذکرہ کرنا چاہتا ہون جو باوجود ناقص ہونے کے اہم ہے، یہ نسخہ مجھے بھوپال مین بیر دروازہ کے قریب ایک بہت معمر کتب فروش کے یہان ملا تھا، جو نواب محمد یار خان (المتوفی ۱۱۶۶ھ) کے عہد مین لکھا گیا تھا، اس کے شروع اور آخر کے کچھ اوراق نہین ہین، خصوصًا وہ قطعہ نہین ہے، جو روضۃ الشہداء کے متعلق ہے، لیکن غلطی سے انجمن ترقی اردو کے نسخہ (ص ۳۰۶) مین شائع ہوگیا ہے، اس نسخہ کی اہمیت یہ ہے کہ اس مین کچھ اشعار ایسے بھی ہین، جو مطبوعہ نسخہ مین نہین ہین، اور کچھ ایسے بھی ہین جن کی قرأت (بہ نسبت مطبوعہ نسخے کی قرأت کے) زیادہ قرین قیاس ہے، اور ان اختلافات قرات سے بھی مختلف ہے، جو بطور ضمیمہ، مطبوعہ نسخہ مین شامل ہین، مثلاً مطبوعہ نسخہ کے ص ۴۹ پر ایک غزل "خدا سون ڈر" ردیف کی ہے، اس کے حسب ذیل اشعار کسی نسخہ مین نہین ہین، صرف اسی نسخہ مین ملتے ہین:-

اب جدائی نہ کر خدا سون ڈر — جگ ہنسائی نہ کر خدا سون ڈر
دل ربائی مین ہے تو شہرۂ شہر — دل ہوائی نہ کر خدا سون ڈر
عاشقان سون ہو رنگ اک دلبر — اور جائی نہ کر خدا سون ڈر
پاک بازان سون صدق کر پیشہ — ددریائی نہ کر خدا سون ڈر
حاضر اوقت عاشقان سیتی — ماجرائی نہ کر خدا سون ڈر

اب ہم اس نسخہ کے اختلاف قرأت کو پیش کرتے ہین، جس مین کچھ غیر مطبوعہ کلام بھی ملے گا، صفحات اور اشعار (جن کا شمار شروع غزل سے ہے) کا حوالہ انجمن ترقی اردو کے مطبوعہ نسخہ سے دیا جاتا ہے، اور ان صفحات کی تقدیم و تاخیر سے ہمارے نسخے کی ترتیب بھی کسی حد تک سمجھ مین آسکے گی،

(حاشیہ ص ۱۱۱) محمود خان صاحب شیرانی نے شائع کرادیا، اسی طرح ایک مرتبہ مین مثنوی "فیض عام" ذوشتہ ۱۱۴۳ھ کے متعلق لکھنا چاہتا تھا، کہ حافظ صاحب موصوف کے قلم سے اس کے متعلق مضمون نظر سے گذرا، ان اتفاقات سے مجھے دلی خوشی ہوئی، کہ یہ کام خدا نے مجھ سے زیادہ بہتر لوگون کے ذریعہ انجام کو پہنچایا،



ص۱۱ شعر ۵ کرے تا تجھ شکر لب سون طلب یک بوسۂ شیرین — مرے دل نے لیا ہے اس سبب شیوہ گدائی کا

ص۱۲-۲-ع تجھ مکھ کے آب حسن کا کھیتے تھے جب حساب

ص۱۹-۳- تجھ نین کی دیکھن کا دل ٹھاٹھ کر چلا تھا — غمزے کے دیکھ ٹھٹ کون لاچار ہو کے ٹھٹکا
(یہ کسی حد تک ضمیمہ کے مطابق ہے)

ص۴-۱-ع چاند کون ہے آسمان پر عکس تجھ رخسار کا

ص۴-۲- جب سون تیری زلف کون دیکھا ہے زاہد اے صنم — ترک کر تسبیح، ہے مشتاق تجھ زنار کا

ص۴-۲- بلبل دیدۂ گریان دل کے تئین — کام ہے تجھ چہرۂ گلنار کا

ص۱۰-۴-ع شرمندہ ہوں تجھ مکھ کے دیکھے نور سکندر — ص۱۲-۴-ع یہاں ہم کے بھنور مین گردان ہے کشتی عقل

ص۱۳-۵-ع ہوا ہے رام بن حسرت دوجا لچھمن سو رام اُس کا — ص۱۳-۴-ع تجھ نگہ سون ہو مشکل کان عسل

ص۱۱-۱ ہر طرف جگ مین ہے روشن نام شمس الدین کا — کیا عجب گر تجھ سے یو مین درس سب تمکین کا

ص۵۰-۵-ع سب سے ممتاز ہوا سلسلۂ معنی مین

ص۵۱-۲- بند کرنے دل وحشت زدہ کون، — دام رہ زلف گرہ گیر کیا،

ص۵۱-۶- شمع مانند جلی اوس کی زبان — جن نے مجھ سوز کون تقریر کیا۔

ص۵۲- غزل نمبر ۴۴ کا مطلع ثانی اس نسخے مین بھی نہین ہے، استاذی حضرت احسن مارہروی مرحوم کا خیال صحیح معلوم ہوتا ہے، کہ وہ الحاقی ہے،

ص۵۳-۲-ع یو مکھ ترا ہے جون کعبہ، بھوان ہین جون محراب۔ (ساتوان شعر اس نسخے مین بھی ہے)

ص۵۵-۱-ع جو کنٹھا بر ہ کی پہنے اُسے گھر بار کرنا کیا،

ص۵۵-۳-ع سکھی تمنا کون ارزانی یو کسوت ہور زینت سب،

ص۵۵-۴ خجالت کی گرد انجھوان کے پانی سون ملا کر — بنائے غم کا گھر مجھ کو دوجا معمار کرنا کیا

ص۵۶-۲-ع محل دل کا تیری خاطر بنایا ہے مین الفت سون،

ص۴۲-۲- دیکھا ہے تیری زلف کے حلقے منی کون یک نظر — تجھ خال کے نقطے نمن وہ بے سرو بالا ہوا

ص۴۲-۳- جس وقت سون تجھ قد کے تئین لایا ہے شاعر در فکر — اُس وقت سون البتہ کر زرخ سخن بالا ہوا

ص۲۳-۹- یہ شعر اس نسخے مین بھی نہین، ہی استاذی حضرت احسن کا خیال صحیح ہے، کہ وہ حاتم کا شعر ہے،

ص۲۴-۷-ع شہرہ ہوا ہے جب سے ترے شعر کا ولی،

ص۲۵-۳- نور کا ہے گنج یو تیرا اجال ، حسن کے گوہر کا دل معدن ہوا،

ص۲۶-۱-ع- سر اوپر اس کے بگولا چتر سلطانی ہوا

ص۲۹-۱- یو آج جو سینہ شاد دستا مطلب ہے جو بامراد دستا،

ص۲۹-۵-ع مرے دل کا جو گوہر غرقِ بحرِ حسن ہے نایاب

ص۳۵-۴- نہ پوچھ دل میں ولی کا لبان برابر تجھ شکر گھلی ہے جدا ہور گھلا ہے قند جدا

ص۶۰-۷-ع نکلا اسیر جامۂ خاکستر آفتاب

ص۸۲-۱۴- جاناں کو بس کہ خوفِ رقیبان ہے دمبدم ہوتا ہے جان بوجھ کے ہم سوں اجان آج

ص۸۲-۱-ع کہ مے پرست کے سینے میں ہے دعاے قدح،

ص۸۳-۴-ع آپس کی دونوں زلف کون نہ کراتا گستاخ،

ص۸۳-۵-ع کیا ہے طرزِ تغافل نے شوخ کے جگ مین،

ص۹۳-۴-ع ترے گلزارِ رنگین کا جو کوئی مقتول ہے اے گل،

ص۹۵-۱-ع سنایا جیون خبر شادی کی قاصد صبح دم آکر،

ص۹۶-۳-ع گرفتاران کی غم خواری اتا لازم ہوئی تجکوں

ص۱۰۰-۳-ع آوے گر انکھیان میں وہ نور بصر ص۹۹-۷-ع مجھ عاشق بے کل سوں نہ توں دغا کل کر

ص۹۰-۱-ع عاشقاں کے اوپر ستم مت کر، ص۱۰۳-۵-ع جو کوئی باندھا ہے تیری زلف سوں دل

ص۹۳ یہاں وہ زائد اشعار ہین جو شروع مین نقل ہو چکے ہین،

ص۱۱۹-۶-ع بن اس کے جا کیا ہے یو تجھ کوں خمار محض

ص۱۲۱-۱-ع اس شوخ شعلہ خیز سون حیراں ہے جیوں چراغ،

ص۱۳۰-۷-ع خوشبو بدن پہ تیری زلفاں نہیں ہیں موہن،

ص۱۲۵-۷-ع نہ پایا ہے البتہ تیرا امثال ص۱۳۰-۴-ع پہنچا ہے جا کے رخ کوں صنم کے زنخ جب

ص۱۳۲-۸-ع نہیں کچھ زر و مال کی دل مین طمع ص۱۳۵-۷-ع نام تیرا ہوا ہے ابنرت لعل



ص۱۲۵-۲-ع تا ایک نگہ میں آوے تجھ پاس مثل شبنم،

ص۱۳۱-۵-ع لطف سوں کر ایک نگہ تجکوں مروت کی قسم،

ص۱۴۵-۳-ع تجھ سنبل پر پیچ کی خوبی میں نظر کر ص۱۵۲-۳-ع قران کب ہو میسر ترا اے زہرہ جبین

ص۱۵۳-۱-ع ولی کے دل کی حقیقت بیان سو کیوں کہ کروں،

ص۱۵۹-۴-ع تجھ باحیا کی پگ پہ آکر سورج حیا سون ص۱۷۶-۱-ع رکھتا ہے پنہاں برہمنیں جوں تسبیح و زنار کیوں

ص۱۷۰-۴-ع تجھ پانو آگے فرش کرون آج پری کوں ص۱۷۹-۱-ع طاقت جواب کی نہ رہے آفتاب مین

ص۱۸۵-۲-ع نشہ، ہوش ہے اس بادۂ حیرانی مین ص۱۸۹-۱-ع اگر گلشن مین وہ رنگیں قبا نین،

ص۱۹۰-۵-ع یو مری جان کے نامے ستی آگاہ قاصد نین،

ص۱۹۲. غزل نمبر ۲۵۹ کا یہ شعر کسی اور نسخے مین نہین ہے :-

بوالہوس سون غرض نہیں دھرتے عاشقان پہ یو وند کرتے ہین،

ص۱۹۳-۱-ع نقد ہستی نثار ڈالے ہین، ص۱۹۱-۱-ع فکر ناموس و ننگ و نام نہین،

ص۱۹۳-۱-ع آتی ہے فوجِ حسن تری جلوہ گاہ مین،

ص۲۰۹-۳-ع ہر یک سوں ترا جگ میں آوازہ ہوا تازہ،

ص۲۱۰- یہ شعر بھی کسی اور نسخے مین نہین ہے، صرف ہمارے نسخے مین ہے :-

شتابی جیون کروں تسلیم باندازہ اُس کا دھرے گر تجھ طرف موہن چرن آہستہ آہستہ

ص۲۱۱-۵-ع مت کہہ آپس کا حال پریشاں رمال آگے ص۲۴۰-۲-ع کما فرگان نے اس کی شوخیاں کوں

ص۲۵۲-۸-ع مہر ہے، لطف ہے، مدارا ہے ص۲۴۶-۶-ع دل نہ دے دوجے کوں غافل دیکھ ہے

ص۲۵۳-۴-ع پیا ہے جام دل سوں بادۂ خون ص۲۵۶-۲-ع جیون ادا محبوب سون محبوب ہے

ص۲۶۰-۶-ع حرفِ شیرین ہر گھڑی ہوتے ہین اس سوں جلوہ گر، ص۳۴۴-۷-ع دستگیری تری ہو ظاہر تب،

ادب قدیم سے شغف رکھنے والے اصحاب جب مطبوعہ نسخے کی مختلف قراتوں کا اس نسخے سے تطابق فرمائین گے تو انھین معلوم ہوگا کہ اس کی قرأت کس قدر اس کے مقابلہ مین بہتر ہے، ولی کے اس طرح کے اور کتنے اشعار ہون گے جو ہنوز پردۂ خفا مین ہین، اگر انجمن ترقی اردو چاہے تو کلیاتِ ولی کے دوسرے اڈیشن مین بطور ضمیمہ اس مضمون کے ضروری اجزا کو شامل کر سکتی ہے، اور مزید تطابق کے لئے یہ نسخہ حبیب گنج سے منگوایا جا سکتا ہے جہان وہ اب محفوظ ہے،

# جواب و استفسار

## عہد اسلامی مین جیلخانون کا موجد کون تھا؟

جناب قاضی احمد میان صاحب اختر جوناگڑھی قاضی واڑہ جوناگڑھ } علامہ شبلی مرحوم نے جیلخانون کی ایجاد کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منسوب کیا ہے، اور مقریزی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اول مکہ معظمہ مین صفوان بن امیہ کا مکان چار ہزار درہم پر خرید اور اس کو جیلخانہ بنایا، پھر اور اضلاع مین بھی جیلخانے بنوائے[1] اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت مین جیلخانے بنوائے اور کہ جیلخانون کے پہلے موجد وہی ہین، لیکن شہاب الدین احمد الخفاجی (گیارہوین صدی) عہد اسلام مین جیلخانون کا موجد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بتاتے ہین، ان کا بیان حسب ذیل ہے :-

(سجن) ولم یکن فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر و عمر و عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم سجن وکان یحبس فی المسجد او فی الدھلیز حیث امکن فلما کان زمن سیدنا علی رضی اللہ عنہ احدث السجن وکان اول من احدثہ فی الاسلام وسماہ نافعا ولم یکن حصینا فانفلت الناس

(جیلخانہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد نبوت مین اور حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمان رضی اللہ عنہم کے عہد خلافت مین جیلخانے نہ تھے، اس وقت مجرمون کو مسجد یا کسی کوٹھری مین بند کر دیتے تھے، جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا تو آپ نے جیلخانہ بنوایا، اور آپ پہلے شخص ہین جنھون نے اسلام مین جیلخانہ کی ایجاد کی، اور اس کا نام نافع رکھا، چونکہ وہ مضبوط نہین تھا

[1] الفاروق حصہ دوم ص ۳۰۳ طبع آگرہ



منہ فبنی آخر وسماہ مخیسا بالخاء المعجمۃ والیاء المشددۃ فتحا وکسرا وقال فیہ :

بنیت بعد نافع مخیسا
بابا شدیدا و امینا کیسا
الا ترانی کیسا مکیسا

وانما ذکرتہ ھنا لان ھذہ الاسماء حدثت بعد العصر الاول[1]

اس لئے قیدی اس مین سے نکل کر بھاگ جایا کرتے تھے، لہذا دوسرا جیلخانہ بنوایا اور اس کا نام مخیس رکھا (یعنی پکڑ کر بند کر دینے کی جگہ)، اس کے متعلق آپنے فرمایا:

"نافع کے بعد مین نے مخیس بنوایا جس کا دروازہ مضبوط ہے، اور اپنے اندر بند کر دینے والا امانت دار ہے، کیا تو نہین دیکھتا کہ کیسا چالاک اور عقلمند ہون"

مین نے اس کا ذکر یہان اس وجہ سے کیا کہ یہ نام عصر اول (عہد نبوی) کے بعد پیدا ہوئے۔

اشعار مندرجۂ بالا علامہ فیروزآبادی نے خیس کے مادہ مین نقل کئے ہین[2] اس کے متعلق علامہ سید مرتضیٰ زبیدی اپنی شرح قاموس مین لکھتے ہین :-

ومنہ سمی سجن کان بالعراق للحجاج وقیل بالکوفۃ بناہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ وکان اولاً جعلہ من قصب وسماہ نافعا وکان غیر مستوثق البناء فکان اللصوص وھربوا منہ فھدمہ وبنی المخیس لھم من مدر فقال

اما ترانی کیسا مکیسا
بنیت بعد نافع مخیسا
بابا حصینا و امینا کیسا

اس نام سے موسوم تھا وہ جیلخانہ جس کو حجاج نے عراق مین بنوایا تھا، اور کہا جاتا ہے کہ کوفہ مین حضرت علیؓ نے بنوایا تھا، پہلے اس کو نرسل کا بنوایا اور نافع نام رکھا، مگر چونکہ اس کی بنا مضبوط نہ تھی اس لئے چور اس سے نقب لگا کر بھاگ جایا کرتے تھے، پھر اس کو گرا کر مخیس بنوایا اینٹون سے چنانچہ فرماتے ہین، ..................

.....................

[1] شفاء الغلیل ص ۱۰۹ مطبع السعادۃ بمصر [2] القاموس المحیط المجلد الثانی ص ۳۵

وفی بعض الاصول "بابا کیسا" قال شیخنا ابن عبد السید و هذا ایضا فی ما سیاتی فی ورق انه لم یثبت عند انه قال شعرا الی آخرہ فتامل قلت و یمکن ان یجاب ان هذا رجز و لا یعد من الشعر عند جماعة و قد تقدم البحث فی ذالک فی رحم فراجعہ،

بعض اصل متون مین بابا کیسا لکھا ہے ہمارے شیخ نے بدر (بدر الدین محمد بن القاضی شمس الدین بن محمد القرانی المالکی المتوفی ۹۰۲ھ بدائع الزہور ج ۴ ص ۱۰۰) کے تتبع مین فرمایا ہے کہ یہ بات اس امر کے منافی ہے، (جو مادہٌ ورق مین آگے آئے گی) کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اخیر وقت تک شعر کہنا ثابت نہین ہے پس یہ امر غور طلب ہے کہ مین کہتا ہون کہ یہ اشعار رجز ہین، جو ایک جماعت کے نزدیک شعر مین شمار نہین ہوتا، اس پر مادہٌ رجز مین بحث گذر چکی ہے وہان ملاحظہ ہو،

مندرجہ بالا بیانات سے معلوم ہوتا ہے، کہ جہان اور کتابون مین جیلخانون کی ایجاد کا سہرا حضرت عمرؓ کے سر رکھا گیا ہے، وہان بعض کتابون مین حضرت علیؓ سے بھی اس کی ایجاد منسوب کی گئی ہے، حضرت علیؓ سے متعلق روایت لفظ قیل کے ساتھ نقل کی گئی ہے، اور سید مرتضی کے شیخ نے اس کو اس بنا پر تسلیم نہین کیا کہ حضرت علیؓ سے شعر کہنا ثابت ہی نہین ہے، گو اس سے یہ روایت مشتبہ ہو جاتی ہے، با این ہمہ یہ شہادتین اس کی تکذیب کے لئے کافی نہین، لہٰذا سوال یہ ہے کہ

(۱) ان متضاد روایات کی موجودگی مین کون سا بیان صحیح مانا جائے ؟

(۲) علامہ شبلی مرحوم نے فتوح البلدان اور مقریزی کے حوالے دیئے ہین، وہ مجھے ان کتابون مین نہیں ملے، لہٰذا یہ بتایا جائے کہ یہ کس مقام پر کس عنوان کے ماتحت درج ہین ؟"

معارف :- مولانا شبلی مرحوم نے الفاروق مین عہد اسلام مین جیل خانون کی ابتدا کے متعلق جو کچھ تحریر فرمایا ہے تحقیقی طور پر اس وقت بھی حرف اخیر وہی ہے، اتفاق کی بات ہے کہ اس موقع پر الفاروق مین مقریزی کی جلد اور صفحہ کا حوالہ غلط چھپ گیا ہے، غالبا یہ غلطی اس کے پہلے اڈیشن مین ہوئی اور وہ نقل در



آخری اڈیشن تک موجود رہی، آپ مستحق شکریہ ہین کہ آپ کے استفسار سے اس کی تصحیح کا موقع ہاتھ آیا، غالبا آپ نے الفاروق کے درج کردہ حوالہ مین اس عبارت کو موجود نہ پاکر مزید تحقیق کی ضرورت سمجھی، اور گیارہوین صدی کا وہ بیان آپ کے سامنے آیا، جس کو آپ نے استفسار مین نقل کیا ہے، مولانا شبلی مرحوم نے مقریزی کے حوالہ سے جو کچھ لکھا ہے، وہ اس کی جلد دوم ص ۱۰۰ کے بجائے جلد سوم ص ۳۰۳ مین موجود ہے، آپ کے ملاحظہ کے لئے اس کی عبارت ذیل مین پیش ہے :-

وهذا کان هو الحبس علی عهد النبی صلی الله علیه وسلم و ابی بکر رضی الله عنه و لم یکن له حبس معد للخصوم و لکن لما انتشرت الرعیة فی زمن عمر بن الخطاب رضی الله عنه ابتاع من صفوان بن امیه رضی الله عنه دارا بمکة باربعة آلاف درهم و جعلها سجنا یحبس فیها۔

قید کرنے کا یہ طریقہ (جس کا تذکرہ اوپر گذرا) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ مین تھا، اس زمانہ مین ملزم کو محبوس کرنے کے لئے کوئی تیار شدہ قید خانہ نہین تھا، مگر جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ مین رعایا پھیلی، تو انھون نے حضرت صفوان بن امیہ رضؓ سے مکہ مین ان کا مکان چار ہزار درہم مین خرید لیا، اور اس کو قید خانہ بنایا، جس مین لوگ قید کئے جاتے تھے۔ (مقریزی ج ۳ ص ۳۰۳)

اس سے بہ تصریح معلوم ہوا کہ عہد رسالت و صدیقی مین قید خانہ کا رواج نہین تھا، اس کی ابتدا حضرت عمرؓ کے زمانہ مین انہی کے ہاتھ سے ہوئی، پھر آگے چل کر دیوانی کے مجرمون کو جیل بھیجنے کا جو ذکر الفاروق مین آیا ہے، اور اس کا حوالہ بھی اتفاق سے درج نہین ہے، اس کو بھی مقریزی جلد سوم ص ۳۰۴ مین ملاحظہ فرمائین،

لیکن اس موقع پر مولانا مرحوم نے دوسرے اضلاع کے جیل خانون کے سلسلہ مین بلاذری کا جو حوالہ دیا ہے، وہ تو فتوح البلدان کے اسی صفحہ ۳۴۶ (طبع لیدن ۱۸۶۶ء) مین موجود ہے، تعجب ہے کہ یہ عبارت آپ کی نگاہ سے کیسے اوجھل رہی، شاید کوئی دوسرا اڈیشن آپ کے پیش نظر ہو، اس کا ذکر عنوان "امر الخاتم" کے ذیل مین آیا ہے، مولانا مرحوم نے جو یہ لکھا ہے کہ علامہ بلاذری کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے، کہ کوفہ کا جیل خانہ نرسل سے بنا تھا" وہ فتوح البلدان کے اس فقرہ سے ماخوذ ہے "وکان السجن یکون مبنیا من قصب"

یعنی قید خانہ اس زمانہ مین نرکل کا تھا، نیز یہ اشارہ کر دیا جائے تو مناسب ہوگا، کہ علامہ بلاذری کی یہ تصریح ایک ایسے مجرم کے ذکر مین آئی ہے، جس نے حضرت عمرؓ کا نقش خاتم بنواکر کوفہ سے فریب سے خراج وصول کر لیا تھا حضرت عمرؓ نے کوفہ مین اس کو گرفتار کرایا، اور اس کو قید خانہ مین بند کیا گیا، جو نرسل کا بنا تھا، اس مین سے وہ نکل بھاگا، پھر تائبانہ حضرت عمرؓ کی خدمت مین مدینہ منورہ حاضر ہوا، یہان پھر اس کو قید کر دیا گیا، کچھ دنون کے بعد قید خانہ سے باہر نکالا گیا، پھر دوبارہ بھیج دیا گیا، اور کچھ زمانہ کے بعد اس کو رہائی نصیب ہو سکی (ص ۴۶۳)

ان تفصیلات سے یہ پایۂ ثبوت کو پہنچتا ہے کہ اس زمانہ مین قید خانہ کا مستقل نظام قائم تھا، جس مین لوگ مستقل طور پر قید رہتے تھے، اور ضرورت کے وقت نکالے جاتے، پھر داخل کر دیئے جاتے تھے، اس لئے تیسری صدی کے مورخ بلاذری المتوفی ۲۷۹ھ کی اس تصریح کے بعد گیارھوین صدی کے علامہ شہاب الدین خفاجی کے اس بیان کے متعلق جس کو آپ نے نقل کیا ہے یہی سمجھا جا سکتا ہے، کہ انھین عہد فاروقی کے ان جیلخانون کی اطلاع نہین مل سکی، اس لئے ان کی یہ تحقیق صحیح نہیں کہ عہد رسالت و صدیقی کی طرح عہد فاروقی مین بھی جیل خانے موجود نہین تھے،

باقی علامہ سید مرتضیٰ زبیدی کی شرح القاموس المحیط سے جو کچھ آپ نے نقل کیا ہے، اس مین تو صرف ایسے جیل خانہ کا ذکر آیا ہے، جس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تعمیر کرایا تھا، اس سے یہ نتیجہ تو نہین نکلتا کہ جیل خانہ کی تعمیر عہد اسلام مین پہلی مرتبہ انہی کے ہاتھون ہوئی تھی، والسّلام "س"

# ہندی راجکماریوں کے بطن سے مسلمان سلاطین ہند کی اولادین

**جناب سید شاہ فخر عالم صاحب**
**سجادہ نشین خانقاہ بھاگلپور**

"معارف ماہ مئی و جون مین استفسارات کا باب دیکھ کر خوشی ہوئی، جنگ کے بعد بھی قائم رکھین، لیکن تشنگی و اختصار نہ ہو، اور نہ علمی جوابون مین فتوی کی شان پیدا ہونی چاہئے، معارف جلد ۵۱ نمبر ۵ ص ۳۴۴ کے سوال نمبر ۵ کا جواب مبہم ہے، اور جواب مین گریز پائی معلوم ہوتی ہے، یہ سوال واضح طور پر جواب طلب ہے۔"

**معارف:**۔ محولۂ بالا استفسار مین پوچھا گیا تھا، کہ

"اکثر اشخاص یہ اعتراض کرتے ہین، کہ اکبر بادشاہ نے جو ہندو راجپوت گھرانون سے شادیان کی تھین، ...... ان کے بطن سے جو اولاد ہوئی، وہ شرعاً و اخلاقاً ناجائز تھی"



اس استفسار کا تعلق بہرحال شرعی مسئلہ سے پیدا ہوتا تھا، اس لئے جواب مین عمومی حیثیت اختیار کر کے یہی بات کہی جا سکتی تھی جو کھلے لفظون مین کہدی گئی کہ

"اگر کسی غیر کتابیہ مشرکہ کے بطن سے کسی مسلمان کی اولاد ہو تو شریعت اسلام کے رو سے اوس کا حکم وہی ہوگا، جو آپ فرماتے ہین" (معارف جلد ۵۱ ص ۳۴۴)

یعنی ان کے بطن سے جو اولاد ہوئی، وہ شرعاً اخلاقاً ناجائز تھی" لیکن یہ امر واقعہ ہے کہ کسی متعین شخص کے متعلق ہم یقین کے ساتھ کوئی ایسی بات نہین کہہ سکتے، کیونکہ ہمارے پاس کوئی ایسی شہادت نہین جس سے ہم ان خواتین ہند کو جو شاہی محلسرا ؤن مین آگئی تھین، کافرہ قرار دین،

پھر شرعی نقطۂ نظر سے ایک موشگافی یہ بھی ہوگی، کہ اس عہد کے بعض سلاطین خود اپنی رائے سے، یا اپنے ہم نوا مدعیانِ علم مذہبی کی رائے سے اس عقیدہ پر بھی تھے، کہ ہندوستان کے ہندو "کفار غیر اہل کتاب" نہین ہین، بلکہ "مشابہ بہ اہل کتاب" یا "کفار اہل کتاب" ہین، اگر اس عقیدہ کی بنا پر کوئی عمل کیا گیا تو سبب خطا ان "مجتہدین عصر" کی "اجتہادی غلطی" قرار پائے گا، یا ان مجتہدین کو ماننے والون کی تقلید جاہلانہ!

جو لوگ گذر چکے انھون نے اچھا کیا یا برا، اگر ان کی خوش اعمالیون یا بداعمالیون کا کوئی اثر اب ہماری جماعت قومی تک نہین پہونچتا تو ہمین ان کو چھیڑنے کی ضرورت نہین، وہ خود اب ایسی عدالت کے سامنے ہین جہان انھین ان کے اعمال کی جزا و سزا کا فیصلہ سنایا جائے گا، اس لئے ان کے اعمال پر ہمین آپ کو اب احتساب اور فیصلہ کرنے کی ضرورت نہین،

# مصحفِ عثمانی کا فوٹو

**جناب قاضی سید محمد حسین صاحب**
**پھلواری شریف، ضلع پٹنہ،**

"ترکی حکومت نے شاید مصحفِ عثمانی کا فوٹو شائع کرایا تھا، کیا وہ پورے قرآن مجید کا فوٹو ہے، یا اس کے کسی جزء کا، اس کے علاوہ کیا مصحفِ عثمانی کے کسی دوسرے نسخہ کا فوٹو بھی کہین چھپا ہے، ؟ اور کہان دستیاب ہو سکتا ہے،؟"

**معارف:**۔ جامعہ عثمانی، حیدرآباد کے استاذ جناب ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کا ایک مضمون

راقم سطور کی نظر سے گذرا تھا، جس مین مصحفِ عثمانی کے فوٹو کا ذکر آیا تھا، لیکن یہ یاد نہ رہ سکا کہ وہ کب اور کس رسالہ مین شائع ہوا تھا۔ اس لئے اس سلسلہ مین موصوف کی طرف رجوع کیا گیا تو حسب ذیل جواب موصول ہوا :-

اسلامک کلچر اکتوبر ۱۹۳۵ء مین ایک مضمون Some Arabic Inscriptions of Madina کے اسی مین حضرت عثمانؓ کی طرف منسوب قرآن مجید کے نصف ورق کا فوٹو ہے،

ترکی حکومت نے جہان تک مجھے علم ہے، صرف ایک ورق کا فوٹو چھپوایا جس کا نسخہ مدینہ منورہ مین دیکھ کر خادم نے فوٹو لے لیا تھا، یہ تقریباً دو فٹ × ڈیڑھ فٹ کی تقطیع پر چھپا ہے،

تاشقند کے مصحفِ عثمانی کا مکمل فوٹو البتہ روسی حکومت نے شائع کیا ہے، جس کا نسخہ کابل میوزیم مین میری نظر سے گذرا ہے، یہ بھی ویسی ہی بڑی تقطیع پر ہے، "س"

# عربوں کا اکتشاف امریکہ

جناب تابش صدیقی بی اے
اسسٹنٹ فنانس ڈیپارٹمنٹ وار برانچ
گورٹن کیسل، شملہ

"امریکہ کے متعلق آج تک ہم یہی پڑھتے اور سنتے آئے ہین کہ اس کو کولمبس نے دریافت کیا لیکن چند دن ہوے کہ مجھے ایک دوست نے بتایا کہ آپ نے یا شاید کسی اور مصنف نے تحقیق کر کے ثابت کیا ہے کہ اس براعظم کے دریافت کرنے والے عرب تھے، اگر یہ بات صحیح ہو تو براہ نوازش اس سلسلہ مین مطلع فرمائین کہ کیا یہ تحقیقی مضمون معارف مین شائع ہوا ہے، یا کتابی صورت مین کیا اس مسئلہ کے متعلق اور کتابین بھی ہین، اگر ہین تو ان کے نام تحریر فرمائین۔

معارف :- کولمبس سے پہلے عربون کے ورود امریکہ کے موضوع پر ہمارے ہان سب سے پہلے راقم سطور کے قلم سے ماہ اگست ۲۶ء کے معارف مین صفحہ دو صفحون کے شذرات مین ذکر آیا ہے، جس مین اس موضوع پر بعض امریکی اہلِ قلم کے بعض مضامین و اکتشافات کا تذکرہ کیا گیا ہے، اور مضامین کے حوالے مندرج ہیں، اس کو دیکھ کر جناب سردار محمد صاحب اسسٹنٹ پروفیسر کیمسٹری زراعتی کالج لائل پور نے بعض نشان دئیے ہوئے رسالے منگائے، اور بعض مضامین کا ترجمہ اگست ۲۷ء کے معارف



مین شائع کرایا، ان دونون پرچون سے اس موضوع پر خود امریکہ کے بعض اہلِ قلم نے جو کچھ لکھا ہے، وہ آپ کے علم مین آسکے گا،

جناب سید صاحب قبلہ نے "عربون کی جہازرانی" کے عنوان سے ایک مستقل کتاب لکھی ہے، جو اس موضوع پر مستند معلومات و تحقیقات کا بہترین مجموعہ ہے، لیکن "عرب و امریکہ" کا باب جو عربی ماخذ سے مرتب کیا گیا ہے اس مین شائع نہ ہوسکا ہے، یہ کتاب کے شائع ہونے کے بعد مکمل ہوسکا، اور مقالہ کے طور پر معارف کے دو نمبرون مارچ و اپریل ۳۹ء مین شائع ہوا ہے، اس سے آپ کو اس موضوع پر نئی تحقیقون کا پتہ چل سکے گا،

اگر آپ تفصیلی معلومات چاہتے ہون تو "عربون کی جہازرانی" اور معارف کے چارون پرچے یعنی بابت ماہ اگست ۲۶ء و اگست ۲۷ء اور مارچ و اپریل ۳۹ء ملاحظہ فرمائین، "س"

# سیر الصحابہ

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مسلمانون کے لئے جن مقدس ہستیوں کے کارنامے اور سوانح حیات مشعلِ راہ ہوسکتے ہین وہ حضرات صحابۂ کرام ہین، دار المصنفین نے ۱۵ برس کی جانفشانی و کوشش سے اس عظیم الشان کام کو انجام دیا، اور اردو مین صحابہ کرام کے سوانح اور حالات اور اخلاق و حسنات کی دس ضخیم جلدین حدیث و سیر کے ہزارون صفحے سے چن کر مرتب کین اور بحسن و خوبی شائع کین، ضرورت ہے کہ حق طلب اور ہدایت و رہنمائی کے جویا مسلمان ان صحیفون کو پڑھین اور شمع ہدایت کی روشنی مین چلین جو آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے ان کے سامنے جلائی گئی تھی، ان جلدون کی علحدہ قیمتیں حسب ذیل ہین جن کا مجموعہ عہ ہے لیکن پورے سٹ کے خریدار کو عہ مین یہ دس جلدیں کامل نظر کیجاتی ہین، پیکنگ ذمہ دار المصنفین، محصول ذمہ خریدار،

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| جلد اول | خلفائے راشدین | للعہ | جلد ششم | سیر الصحابہ ششم | عہر |
| جلد دوم | مہاجرین اول | ہر | جلد ہفتم | سیر الصحابہ ہفتم | عہر |
| جلد سوم | مہاجرین دوم | ہر | جلد ہشتم | سیر الصحابیات طبع دوم | عہر |
| جلد چہارم | سیر الانصار اول | ہر | جلد نہم | اسوۂ صحابہ اول | عہر |
| جلد پنجم | سیر الانصار دوم | عار | جلد دہم | اسوۂ صحابہ دوم | ہر |

"منیجر"

# مطبوعات جدیدہ

**ہمارے ہندوستانی مسلمان** مترجمہ ڈاکٹر صادق حسین صاحب ایم بی بی ایس تقطیع چھوٹی ضخامت ۳۰۰ صفحے کاغذ کتابت وطباعت معمولی قیمت مجلد عہ۱۲، پتہ:۔ اقبال کیڈمی ظفر منزل تاجپورہ لاہور،

یہ کتاب سر ولیم ہنٹر کی مشہور کتاب "Indian Musalmans" کا اردو ترجمہ ہے، مصنف اٹھارہوین صدی کے وسط کے بنگال کے ایک لائق آئی سی ایس تھے، یہ وہ زمانہ تھا جب مسلمانون کی حکومت قریب قریب ختم ہو چکی تھی، حضرت مولانا سید احمد بریلوی کی شہادت پر ایک تہائی صدی گذر چکی تھی، لیکن انگریزون کے خلاف ان کے خلفاء اور متبعین کا جہاد جاری تھا، اور اس کا نظام پورے ہندوستان مین پھیلا ہوا تھا، اور حکومت مسلمانون سے پورا انتقام لے رہی تھی، اس کتاب مین اس جہاد کی تاریخ، مسلمانون کے جوش جہاد، اس کے وسیع نظام اور مسلمانون کے ساتھ حکومت کی زیادتیون اور ناانصافیون کی پوری تفصیل بیان کی گئی ہے، اور اس سلسلہ مین جہاد کے احکام، دار الحرب و دار الاسلام کے مسائل اور انگریزون کے خلاف مسلمانون کے جہاد کی دینی حیثیت وغیرہ کی بحثین بھی ہین، اس طرح اس مین گویا آج سے صدی ڈیڑھ صدی پیشتر ہندوستان مین مسلمانون کے جہاد آزادی کی اجمالی تاریخ آگئی ہے، اس کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ مسلمانون نے اس زمانہ مین جب کہ ہندوستان کی دوسری قومون کے دماغ مین آزادی کا تصور بھی نہ پیدا ہوا تھا، بلکہ وہ اس راہ مین مزاحمت اور مسلمانون کے دبانے مین انگریزون کی اعانت کر رہی تھین، مسلمانون نے اجنبی حکومت سے آزادی کے لئے جتنی زبردست قربانیان کین اس کی مثال آج بھی نہین پیش کی جا سکتی، اور اس جہاد آزادی کا نظام اتنا وسیع اور مکمل تھا کہ کابل کی سرحد سے لے کر مشرقی بنگال تک پھیلا ہوا تھا، اور انگریزون کو اس کے دبانے مین کتنی دشواریان پیش آئین، اور کتنے نقصانات اٹھانا پڑے، اور اس کے انتقام مین انھون نے مسلمانون کو کن کن طریقون سے تباہ کرنے کی کوشش کی، ہنٹر کو چونکہ صرف بنگال کا تجربہ تھا، اس لئے انھون نے



زیادہ تر بنگال کے حالات لکھے ہین، ورنہ سارے ہندوستان مین یہی حال تھا، اس کتاب کے کل معلومات سرکاری کاغذات اور انگریز حکام کے بیانات اور ان کی تحریرون اور تصانیف سے ماخوذ ہین جس سے زیادہ مستند اس بارے مین دوسرے بیانات نہین ہو سکتے، جہاد کا حصہ چونکہ مخالف نقطۂ نظر سے لکھا گیا ہے، اس لئے اس مین جا بجا تلخی اور سخت سست آگئی ہے، اور کہین کہین واقعات کی بھی غلط تعبیر کی گئی ہے، بعض اور خفیف فرو گذاشتین بھی ہین، لیکن ان سے اصل مقصود پر کوئی اثر نہین پڑتا، ضرورت تھی کہ حاشیہ مین ان کی تصحیح کر دیجاتی، مسلمانون کے ساتھ حکومت کی زیادتیون کے حالات خود ایک انگریز حاکم کے قلم سے پڑھنے کے لائق ہین، یہ کتاب اپنی اہمیت کے لحاظ سے اردو مین ترجمہ کے لائق تھی، لائق مترجم نے یہ خدمت انجام دے کر اردو کے ذخیرہ مین ایک مفید اور قابل قدر کتاب کا اضافہ کیا ہے، ہر پڑھے لکھے مسلمان کو اس کتاب کا مطالعہ کرنا چاہئے، ع

تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را
گاہے گاہے باز خوان این قصۂ پارینہ را

**سیدہ کی بیٹی** مؤلفہ جناب رازق الخیری صاحب تقطیع بڑی کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت عہ قسم خاص ہے، پتہ عصمت بک ڈپو دہلی،

اسلام کی ابتدائی تاریخ مین جن ممتاز مسلمان خواتین کے نام آتے ہین، ان مین ایک حضرت علیؓ کی صاحبزادی زینب بھی ہین، سیدہ کی بیٹی انہی کی سوانح عمری ہے، حضرت زینبؓ معرکۂ کربلا مین حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ تھین اور اس سلسلہ مین ان کی جرأت اور دلیری کے بعض واقعات بھی تاریخون مین ملتے ہین، لیکن بعد کے افسانہ نگارون نے ان کی پوری زندگی کو ایک داستان بنا دیا ہے، عام طور سے ان کی جانب جو افسانے منسوب ہیں، ان کی کوئی اصلیت نہیں، حتی کہ مستند شیعہ مورخین یعقوبی، مسعودی اور ابن طقطقی وغیرہ نے بھی ان کا کوئی تذکرہ نہین کیا ہے، مذکورۂ بالا کتاب کا بڑا حصہ بھی اسی قسم کے افسانون پر مشتمل ہے، جو غیر معتبر کتابون سے ماخوذ ہین، اس قسم کے موضوعون پر لکھنے کے لئے اصل عربی ماخذون پر ناقدانہ نگاہ کی ضرورت ہے، مستند تاریخون مین حضرت زینبؓ کے حالات مشکل سے دو چار صفحون کے بقدر مل سکتے ہین، اور مصنف نے ایک پوری ضخیم کتاب لکھدی ہے، اس لئے انھیں مجبوراً ہر قسم کے رطب و یابس متعلق و غیر متعلق واقعات کو لینا پڑا، بعض معتبر کتابون کے نام بھی نظر آتے ہین، لیکن ان سے جو واقعات لئے گئے ہین، ان کو حضرت زینبؓ کی سوانح سے کوئی تعلق نہین، اور ان مین بھی غلطیان ہین جن کی تفصیل کی گنجایش نہین، سیدہ زینب کی عظمت کے لئے یہ کیا کم ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نواسی اور حضرت علی و فاطمہ رضی اللہ عنہما جیسے ماں باپ کی نور نظر تھین کہ

ان کے مرتبہ مین اضافہ کے لئے ان کی جانب غلط اور مبالغہ آمیز واقعات کے انتساب کی ضرورت ہو، ع

بہ آب ورنگ وخال وخط چہ حاجت روے زیبارا

مصنف نے یہ کتاب درحقیقت شیعون کے لئے لکھی ہے، چنانچہ حضرت زینب کے سوانح کا حصہ تمامتر انھی کی کتابون سے ماخوذ ہے، خلافت راشدہ اور اس دور کے دوسرے تاریخی واقعات مین بھی شیعون کے عقائد کی خاص رعایت رکھی گئی ہے، اس لحاظ سے مصنف کی کوشش یقیناً کامیاب ہے، اور امید ہے کہ ان مین یہ کتاب مقبول ہو گی، سُنّی خواتین بھی تاریخی حیثیت سے قطع نظر اخلاقی سبق کی حیثیت سے فائدہ اٹھا سکتی ہین، اس لئے کہ سبق آموزی کے لئے واقعہ کی صحت ضروری نہین ہے،

**جوامع الحکایات و لوامع الروایات** حصہ اول و دوم مترجمہ جناب اختر شیرانی تقطیع بڑی ضخامت حصہ اول ۲۳۰ صفحے و حصہ دوم ۲۶۲ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر،

قیمت علی الترتیب مجلد وغیر مجلد ہے ۱۲ عہ، للعہ سے ۱۲، پتہ انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی

عربی اور فارسی مین ادب و محاضرات کی بہت سی کتابین ہین، جو انسان کی ذہنی و دماغی جلا، اخلاقی تعلیم، زندگی کے مختلف تجربات، مختلف النوع سبق آموز تاریخی و نیم تاریخی واقعات، قصص و حکایات، اور نوادر ولطائف پر مشتمل ہین، جن سے معلومات مین اضافہ کے ساتھ زندگی کے مختلف شعبون کے متعلق مفید سبق حاصل ہوتے ہین، فارسی کی اس نوع کی کتابون مین موضوع کے تنوع اور مواد کی کثرت کے لحاظ سے محمد عوفی کی جوامع الحکایات و لوامع الروایات بہت مبسوط اور مشہور کتاب ہے، اس کی چار جلدین ہین، اور ایک سو ابواب مین کئی ہزار حکایتین ہین، یہ کتاب کمیاب ہے، اور ابھی تک چھپی نہین، دارالمصنفین کے کتب خانہ مین اس کا ایک نسخہ موجود ہے، انجمن ترقی اردو نے اس کی منتخب حکایات کا ترجمہ کرایا ہے، ترجمہ صاف اور سلیس ہے، اس قسم کی کتابین اپنے گوناگون مفید اور دلچسپ معلومات کے اعتبار سے عوام و خواص سب کے لئے یکسان دلچسپ ہوتی ہین، اس لئے امید ہے کہ یہ کتاب اردو خوانون مین مقبول ہو گی،

**ہمارے بینک** از جناب محمد احمد صاحب سبزواری ایم اے تقطیع بڑی ضخامت ۱۵۰ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، قیمت:- مجلد ۱۲ عہ، بلا جلد عہ ۱۲، پتہ انجمن ترقی اردو دہلی،

بینک دنیا کے موجودہ معاشی و تمدنی نظام کا نہایت ضروری جز ہین، اور انھی کے بل پر تمدن کی ساری عمارت قائم ہے، کسی ملک کی اقتصادی و معاشی ترقی کا معیار اس کے بینکون کی کثرت و وسعت ہے، ان کا نظام اور



اس کے مسائل نہایت پیچیدہ ہین، انجمن ترقی اردو نے موجودہ دور کے مسائل پر اردو مین کتابون کی تالیف و اشاعت کا جو مفید سلسلہ شروع کیا ہے، ہمارے بینک بھی اسی سلسلہ کی کتاب ہے، بقول مصنف "اس مین اس کی کوشش کی گئی ہے کہ بینکون کی تفصیل، ان کی اہمیت اور ان کے کامون کی تشریح، زر کی الجھنون سے بچاکر سیدھے سادے طریقہ سے کر دیجائے" اس سلسلہ مین بینک کے قیام کی ضرورت، اس کی ابتدا، اور ترقی، اس کے کامون کی تفصیل، دنیا کے بعض بڑے بینکون کے حالات، ہندوستان مین بینک کے قیام کے آغاز سے لے کر موجودہ دور تک ہندوستانی بینکون کی سرگذشت، ہندوستان کے اور دوسرے سرکاری اور پرائیوٹ مالی ادارے، سیونگ بینک، کوآپریٹو سوسائیٹز وغیرہ اور سودی لین دین کے دیسی طریقون کے حالات تفصیل سے بیان کئے گئے ہین، جس سے بینکون کے نظام کے متعلق جملہ ضروری معلومات حاصل ہو جاتے ہین،

**تنقیدی جائزے** از جناب سید احتشام حسین صاحب لکچرار اردو لکھنؤ یونیورسٹی، تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۵۸ صفحے کاغذ، کتابت، وطباعت بہتر، قیمت:- ۱۲ عہ، پتہ ادارہ اشاعت اردو حیدرآباد دکن،

مصنف ممتاز ترقی پسند ادیب اور نئے ادب کے پر جوش مبلغ ہین، تنقیدی جائزے ان کے ان مضامین کا مجموعہ ہے، جن مین ترقی پسند ادب کے نقطۂ نظر سے نفس ادب، قدیم ادب اور ترقی پسند ادب کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے، کہ ادب کیا چیز ہے، اس کے مقاصد کیا ہونے چاہئیں، قدیم اور جدید ادب کے نقطۂ نظر مین کیا فرق ہے، اور اس کے اعتبار سے قدیم ادب مین کیا خامیان اور جدید مین کیا خصوصیات ہین، اور وہ کہان تک ادب کے اصلی مقاصد کو پورا کرتا ہے، اور اس قبیل کے دوسرے مسائل پر بحث کی گئی ہے، اسی سلسلہ کے حسب ذیل مضامین ہین، اردو ادب مین ترقی پسندی کی روایت، نئی شاعری کے نقاد، ادب و اخلاق، نئے ادبی رجحانات، قدیم ادب اور ترقی پسند نقاد، چکبست، بحیثیت پیامبر دور جدید، نظیر اکبرآبادی، جدید شاعری مین مواد اور ہیئت، ان کے علاوہ فانی بدایونی، سحرالبیان پر ایک نظر، سوانح نگاری، تحفظ زبان، کا مسئلہ، خالص ادبی و تنقیدی ہین، ترقی پسند ادیبون کا نقطۂ نظر، خیالات، اور ان کے دلائل و مباحث معلوم و متعین ہین، اس مجموعہ مین بھی کوئی نئی بات نہین ہے، انھی پرانے مباحث و مسائل پر مشتمل ہے، جن پر معارف مین ایک سے زیادہ مرتبہ اظہار خیال کیا جا چکا ہے، اس لئے دوبارہ اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں، خیالات کی بے اعتدالی ان مضامین مین بھی نمایان ہے، تاہم اس مجموعے مین تنقیدی حیثیت سے بعض مفید اور قابل لحاظ باتین بھی ہین،

**تعارفِ قرآنی**، مرتبہ جناب ایم عبد الرحمن خان صاحب تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۰۰ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت مرقوم نہین، پتہ ایم ثنار اللہ خان پبلشر اینڈ بک سیلر ۲۶، ریلوے روڈ لاہور،

کلام مجید کی مختلف حیثیون پر اردو مین کافی کتابین ہین، لیکن ایسی عام فہم اور آسان کتابین کم ہین، جن سے ہر شخص فائدہ اٹھا سکے، یہ کتاب اس ضرورت کو پورا کرتی ہے، اس مین مصنف نے کلام مجید کی ان تمام آیات کو جن مین قرآن پاک کے کسی وصف، کسی خصوصیت، کسی کمال یا اس کی کسی حیثیت کا تذکرہ ہے، جس سے کلام مجید کے کسی پہلو پر روشنی پڑتی ہے، مختلف سرخیون کے تحت مین جمع کر دیا ہے، اور اس کا ترجمہ بھی دیدیا ہے، موٹے موٹے آدامر ونواہی کی بھی کچھ آیات لکھدی ہین، اور جابجا ضروری حواشی بھی دیدیئے ہین، اگواس کتاب مین زیادہ تر قرآن مجید سے متعلق آیات جمع کی گئی ہین، لیکن ان مین اس کی بہت سی تعلیمات آگئی ہین، کتاب مفید اور عام مسلمانون کے مطالعہ کے لائق ہے،

**قصص النبیین** از مولانا سید ابو الحسن علی استاذ ندوۃ العلماء تقطیع چھوٹی ضخامت ۴۴ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، قیمت مرقوم نہین، پتہ :- غالباً مصنف ندوۃ العلماء لکھنو سے ملے گی،

عربی ادب کی ابتدائی نصابی کتابین عموماً غیر مفید قصے کہانیون پر مشتمل ہین، جس سے زبان کی تعلیم کا مقصد تو حاصل ہو جاتا ہے، لیکن بچون کے معلومات مین کوئی مفید اضافہ نہین ہوتا، اور نہ کوئی اخلاقی سبق ہی حاصل ہوتا ہے، مولانا سید ابو الحسن علی ندوی استاذ ندوۃ العلماء نے یہ کتاب لکھ کر اس کمی کو پورا کیا ہے، اس مین کلام مجید سے حضرت ابراہیم اور حضرت یوسف علیہما السلام کے واقعات کو قصے کے پیرایے مین اس انداز سے لکھا گیا ہے، کہ بچے دلچسپی کے ساتھ پڑھین بھی، اور زبان کی تعلیم کے ساتھ دو جلیل القدر پیغمبرون کے سبق آموز حالات بھی ان کے علم مین آجائین، یہ کتاب عربی کے ابتدائی درجون مین پڑھانے کے لائق ہے،

"م"

**تصحیح**: ص ۰، سطر ۵ مین طاعت کے بعد لفظ ترک چھوٹ گیا ہے، ناظرین تصحیح کرلین،



جلد ۵۶ ماہ شوال المکرم ۱۳۶۴ھ مطابق ماہ ستمبر ۱۹۴۵ء عدد ۳

## مضامین